سہ ماہی **بحث ونظر** حیدرآباد

شمارہ نمبر : ۸۷	جنوری — مارچ ۲۰۱۲ء	صفر — ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

زرِ تعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ: 40 روپے

سالانہ: 150، بذریعہ رجسٹری: 200

سہ سالہ: 450، بذریعہ رجسٹری: 550

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ: 20 امریکی ڈالر

یورپ، امریکہ، افریقہ کے لئے :

سالانہ: 30 امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd, A.P 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک / ڈرافٹ پر صرف: "Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: محمد نصیر عالم سبیلی ''**العالم**'' اُردو کمپیوٹر سنٹر، بارکس، حیدرآباد، فون نمبر: 9959897621

فہرست مضامین

◄◄ افتتاحیہ	مدیر	۳
◄◄ فقہی تحقیقات		
○ صحابہ اور ان کے آثار کی شرعی حیثیت	خالد سیف اللہ رحمانی	۵
○ کرنسی اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے معیار......	״	۱۶
○ غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے	״	۳۱
○ اتفاقی اور منصوبہ بند تورّق	״	۴۳
○ مکان کے لئے سودی قرض کا حصول	״	۵۵
○ انشورنس اور مغربی ممالک	״	۶۴
○ مسلمان اور الیکشن	״	۶۷
○ دو ہفتے کناڈا میں !	״	۷۳
◄◄ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد		
○ خبر نامہ (محرم الحرام تا ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ)	مولانا شاہد علی قاسمی	۹۰

○ ○ ○

افتتاحیہ

موجودہ دور کو تاریخ میں اس حیثیت سے یاد رکھا جائے گا کہ مغربی استعمار نے عالم اسلام اور خصوصاً عرب ممالک میں آمریت کے جو بت نصب کر دیئے تھے، جنھیں ہلانا اور جنبش دینا بھی دشوار تھا اب وہ ایک ایک کر کے اُکھاڑ پھینکے جا رہے ہیں، تیونس سے عیاش حکمراں زین العابدین بن علی نے راہِ فرار اختیار کی اور وہاں جمہوریت قائم ہونے کی بنا پر ایک اسلام پسند جماعت برسر اقتدار آسکی، لیبیا میں کرنل معمر قذافی کی عبرت ناک موت کے ساتھ اس کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا، مصر میں حسنی مبارک عمر قید کی سزا پا رہے ہیں اور الاخوان المسلمون کی حکومت قابض ہو چکی ہے، یمن میں نامکمل انقلاب آیا، علی عبداللہ صالح کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا؛ لیکن ابھی بھی یہ ملک مکمل جمہوریت سے محروم ہے، شام میں کشمکش جاری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مغرب کا در پردہ تعاون ساتھ نہ ہوتا تو بشار الاسد جیسے سفاک و غدار ڈکٹیٹر کا صفایا ہو چکا ہوتا۔

ان حالات میں اسلامی اور علمی نقطۂ نظر سے جو بات شدت سے محسوس کی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام سیاست پر ایسی کتابیں موجود نہیں ہیں، جو موجودہ دور کی ضرورتوں کو پوری کر سکتیں، قرآن وحدیث میں بنیادی اُصولوں کی رہنمائی کی گئی ہے اور فقہاء نے اپنے عہد کی ضرورت کے لحاظ سے احکام کا استنباط کیا ہے؛ لیکن ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' جو اسلام کی نظر میں آئیڈیل نظام سیاست ہے، وہ بہت کم عرصہ قائم رہ سکا، بہت جلد خاندانی بادشاہت اور آمریت نے اس کی جگہ لے لی، اس لئے ہماری کتبِ فقہ میں اس باب کی اس درجہ تفصیل نہیں ملتی جیسا کہ عبادات، معاشرتی زندگی اور معاملات کے بارے میں ملتی ہے، ضرورت ہے کہ اہل علم اس طرف توجہ دیں اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر کام کریں، اسی سلسلہ کی ایک حقیر کوشش کے طور پر راقم الحروف نے معہد کے ایک فاضل کو اس موضوع پر کام حوالہ کیا ہے، خدا کرے وہ اسے بہتر طور پر انجام دے سکیں، یہاں اس تذکرہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اہل علم کے نقار خانہ میں طوطی کی یہ صدا ان اہم مسائل کی طرف توجہ کا ذریعہ بنے اور علماء اس پہلو پر غور فرمائیں۔

افسوس کہ بعض قانونی دشواریوں کی وجہ سے ''سہ ماہی بحث ونظر'' اب تک وقت پر شائع نہیں ہو پا رہا ہے، اس کی وجہ سے ترسیل کے اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں، تاہم معہد نے طے کیا ہے کہ جب تک یہ دشواری حل نہ ہو جائے، ادارہ ان اخراجات کو برداشت کرے اور یہ مجلّہ شائع ہوتا اور اہل ذوق کے ہاتھوں تک پہنچتا رہے۔

یہ شمارہ اور اگلے دو شمارے (جو جلد ہی اشاعت پذیر ہوں گے) نہایت عجلت میں مرتب کئے جا رہے ہیں؛ اس لئے اس میں اس حقیر کے مضامین ہی شامل اشاعت ہیں، ان مضامین سے ''صحابہ اور ان کے آثار کی شرعی حیثیت'' جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کی 'عظمت صحابہ کانفرنس' منعقدہ ۲۰۱۱ء کے لئے لکھا گیا تھا، ''کرنسی اور اموال تجارت کی زکوٰۃ کے لئے معیار، غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے حاصل کی جانی والی طلاق اور تورق'' نہایت اہم عصری مسائل ہیں، یہ تحریریں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سیمیناروں کے لئے لکھی گئی تھیں، ''مکان کے لئے سودی قرض کا حصول، انشورنس اور غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا'' اس عہد کے ضروری مسائل ہیں، اسلامک فاؤنڈیشن ٹورنٹو (کناڈا) نے ایک فقہ کانفرنس منعقد کی تھی، جس میں بعض اور موضوعات بھی زیر بحث تھے، یہ حقیر اس کانفرنس میں شریک تو نہیں ہو سکا؛ لیکن اپنے مقالے بھیج دیئے تھے، ان میں سے بعض مقالات گذشتہ شماروں میں شائع ہو چکے ہیں اور یہ تین تحریریں اس شمارہ میں شامل ہیں، فقہی اعتبار سے یہ تمام ہی موضوعات بڑے اہم ہیں۔

گذشتہ سال 'اسلامک فاؤنڈیشن ٹورنٹو' کی دعوت پر اس حقیر نے کناڈا کا سفر کیا تھا؛ چنانچہ یہ سفرنامہ بھی قارئین کی ضیافت کے لئے پیش ہے، اُمید ہے کہ 'بحث ونظر' کے دوسرے شماروں کی طرح اسے بھی پذیرائی حاصل ہوگی۔

۲۰؍شوال ۱۴۳۳ھ　　　　　　　　　　**خالد سیف اللہ رحمانی**

۸؍ستمبر ۲۰۱۲ء

○ ○ ○

صحابہ اوران کے آثار کی شرعی حیثیت

خالد سیف اللہ رحمانی

''صحابی'' کے اصل معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں ؛ لیکن یہ اسلام کی ایک مستقل اور اہم اصطلاح ہے، اصطلاحی طور پر صحابی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنھوں نے بحالت ایمان حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں، حدیث نبوی :

طوبی لمن رأني ولمن رأى من رأني . (۱)

خوش خبری ہو اس شخص کے لئے جس نے مجھ کو دیکھا اور اس کے لئے جس نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ صحابیت کے لئے ملاقات کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ رسول ﷺ کی طویل صحبت حاصل ہو یا اس نے حضور ﷺ سے کوئی روایت بھی نقل کی ہو، جیسا کہ بعض اہل علم کی رائے ہے؛ بلکہ سعید بن مسیّب کے نزدیک تو صحابی ہونے کے لئے رسول ﷺ کے ساتھ سال دو سال رہنا اور ایک دو غزوات میں شرکت کرنا بھی ضروری ہے (۲) اسی لئے اصحمہ نجاشی کا شمار صحابہ میں نہیں ہوگا، کہ آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا اور جو لوگ ملاقات سے مشرف ہوئے، گو کم عمر رہے ہوں، صحابی کہلائیں گے، جیسے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

صحابیت کا ثبوت

صحابیت کا ثبوت چار طریقوں سے ہوسکتا ہے :

(۱) تواتر کے ذریعہ، جیسے حضرات خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ وغیرہ۔

(۲) تواتر سے کمتر درجہ شہرت کے ذریعہ جیسے حضرت ضمام بن ثعلبۃ اور عکاشہ بن محصن وغیرہ۔

---

(۱) مجمع الزوائد: ۲۰/۱۰۔

(۲) مقدمة ابن صلاح: ۱۲۵ النوع التاسع والثلاثون، الفية مصطلح الحديث للعراقى: ۱/۷۴ ''معرفة الصحابة''۔

(۳) کوئی معروف صحابی کسی شخص کے بارے میں صحابی ہونے کی اطلاع دے، جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حممة بن أبی حممة الدوسی کی بابت صحابی ہونے کی خبر دی۔

(۴) کوئی ایسا شخص جس کا عادل ومعتبر ہونا معلوم ہو اور زمانی اعتبار سے اس کا صحابی ہونا ممکن بھی ہو، اگر اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ کرے، تو اس کو قبول کیا جائے گا، اس سلسلہ میں علماء کا خیال ہے کہ ۱۱۰ھ کے بعد اگر کوئی شخص صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ غیر معتبر ہے، اسی بناء پر جعفر بن نشطو رومی اور رتن ہندی وغیرہ کے دعویٔ صحابیت کو غیر معتبر مانا گیا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں ارشاد فرمایا تھا:

مامن نفس منفوسة اليوم يأتي عليها مئة سنة وهي حية يؤمئذ .(۱)

آج کوئی متنفس نہیں کہ سو سال گذرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہے۔

ان چار طریقوں سے کسی کا صحابی ہونا تسلیم کیا جاتا ہے۔(۲)

تمام صحابہ عادل ہیں

اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام ہی صحابہ عادل ومعتبر ہیں۔ خواہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والے فتنہ میں شریک رہے ہوں یا نہیں۔(۳)

صحابہ میں مراتب

اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام امت میں افضل ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کا درجہ ہے، اکثر علماء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا ہے اور علماء کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (۴) امام ابوحنیفہؒ کا رجحان بھی اسی طرف بتایا جاتا ہے، اسی لئے آپ نے اہل سنت والجماعت کی علامات میں حضرات شیخین کی فضیلت اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی محبت کو شمار کیا ہے (۵) امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں توقف منقول ہے (٦) نیز مشہور محدث محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ اور خطابیؒ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانا ہے۔(۷)

---

(۱) مسلم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث نمبر:۲۵۳۸۔

(۲) مقدمة ابن الصلاح:۱۲۵، علوم الحدیث ومصطلحه للدكتور صبحی المحمصانی:۳۵۳-۳۵۲۔

(۳) الفية العراقی:۱۷۴۔ (۴) مقدمة بن الصلاح:۱۲۸۔

(۵) خلاصة الفتاویٰ:۳۸۱/۴۔ (٦) الفية العراقی:۱۷٦۔

(۷) مقدمه ابن صلاح:۱۲۸۔

خلفاء اربعہ کے بعد پھر ان چھ صحابہ کا درجہ ہے جو عشرہ مبشرہ میں ہیں، ان کے بعد اصحاب بدر، ان کے بعد اصحابِ احد، اوران کے بعد حدیبیہ میں بیعت رضوان کے شرکاء کا شمار ہے، آخری درجہ فتح مکہ اوراس کے بعد ہونے والے مسلمانوں کا ہے، جن میں حضرت ابوسفیان ؓ اور حضرت معاویہ ؓ وغیرہ ہیں۔(۱)

روایت کے اعتبار سے درجات

باعتبار روایتِ حدیث کے صحابہ کے تین درجات کئے گئے ہیں، اول مکثرین، جن کی روایات ہزار سے اوپر ہوں، دوسرے مقسطین جن کی روایات ہزار سے کم اور سو سے زیادہ ہوں، تیسرے مقلین جن سے سو سے کم حدیثیں منقول ہوں، مقسطین اور مقلین کی تعداد تو بہت ہے؛ البتہ مکثرین سات ہیں اوران کے نام اور مرویات کی تعداد اس طرح ہے(۲) :

(۱) حضرت ابوہریرہ ؓ : ۵۳۷۴
(۲) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ : ۲۶۳۰
(۳) حضرت انس بن مالک ؓ : ۲۲۸۶
(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا : ۲۲۱۰
(۵) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ : ۱۶۶۰
(۶) حضرت جابر بن عبداللہ ؓ : ۱۵۴۰
(۷) حضرت ابوسعید خدری ؓ : ۱۱۷۰

فقہ کے اعتبار سے درجات

فقہی اعتبار سے بھی بعض صحابہ مکثرین شمار کئے گئے ہیں، تاہم مسروق سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا علم چھ صحابہ میں جمع ہوگیا تھا، حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابی کعب ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت ابوالدرداء ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، بعض نے ابوالدرداء کی جگہ ابوموسیٰ اشعری ؓ کا ذکر کیا ہے اور پھر ان چھ کا علم دو میں جمع ہوگیا، حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ ان میں حضرت عمر ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ فقہی اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب تھے، جب کہ حضرت علی ؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور حضرت ابی بن کعب ؓ کی آراء میں زیادہ موافقت پائی جاتی تھی۔(۳)

---

(۱) دیکھئے: مقدمہ ابن صلاح: ۱۳۰۔ (۲) علوم الحدیث ومصطلحہ: ۵۵-۳۵۴۔
(۳) مقدمہ ابن صلاح: ۱۲۷۔

صحابہ کے بارے میں احتیاط

اُمت میں حضرات صحابہ کرام ﷢ کا ایک خاص درجہ و مقام ہے کہ انھیں کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے اوران ہی کی قربانیوں اور جاں نثاریوں سے اسلام کا شجر طوبی پروان چڑھا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو اُمت کا سب سے بہتر طبقہ قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے عہد کے مسلمان بہترین مسلمان ہیں، پھران کے بعد آنے والے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں ''**خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم**''(۱) حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو وہ ان کے ایک مُد بلکہ اس کے نصف خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا''۔(۲)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ، جس نے ان سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے ان کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی، اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لیں''۔(۳)

اس لئے حضرات صحابہ کے بارے میں بہت احتیاط چاہئے اور ہمیشہ سوءِ کلام اور سوءِ گمان سے بچنا چاہئے؛ چنانچہ اگر کوئی شخص صحابہ کی شان میں بدگوئی کرے تو اس کے فاسق العقیدہ ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں؛ لیکن تکفیر میں اختلاف ہے، فقہاء احناف میں عبدالرشید طاہر البخاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی رافضی شیخین کی شان میں گستاخی کرے اور لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے(۴) ملاعلی قاریؒ نے بھی مشائخ سے اس طرح کی بات نقل کی ہے؛ لیکن اس کو از روئے قواعد مشکل قرار دیا ہے(۵) فقہاء مالکیہؒ میں علامہ دردیرؒ نے ایسے شخص کو کافر تو قرار نہیں دیا ہے؛ لیکن صحابہ اور اہل بیت کی تنقیص کرنے والوں کو شدید تعزیر کا مستحق قرار دیا ہے(۶) علامہ صاوی مالکیؒ نے نقل کیا ہے کہ قول معتمد یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کی اہانت یا تکفیر کی وجہ سے کفر کا فتویٰ تو نہیں لگایا جائے گا البتہ تعزیر کی جائے گی؛ لیکن سحنون مالکی نے

---

(۱) مسلم: كتاب فضائل الصحابة ، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم، حدیث نمبر:۲۵۳۳، عن ابن مسعودؓ۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر:۲۵۴۰، بخاری، حدیث نمبر:۳۶۷۳۔

(۳) ترمذی:۳۸۶۲، باب المناقب۔

(۴) خلاصة الفتاوىٰ:۳۸۱/۴۔

(۵) دیکھئے: شرح فقه اکبر:۲۲۹۔

(۶) الشرح الصغیر :۴۴۴/۴۔

خلفاء اربعہ کو کافر کہنے والوں کو مرتد قرار دیا ہے، نیز صاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو تمام صحابہ کی تکفیر کرے وہ بالاتفاق کافر ہے۔(۱)

غرض اگر از راہِ احتیاط صحابی کی شان میں گستاخی کو کفر قرار نہ دیا جائے تب بھی اس کے قریب بہ کفر ہونے میں شبہ نہیں، اسی لئے سلف نے مشاجرات صحابہ پر گفتگو کرنے سے بھی منع کیا ہے، افسوس کہ گذشتہ نصف صدی میں بعض ایسی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، جن میں ناحق صحابہ کے اختلاف کو زیر بحث لایا گیا ہے اور آخر یہ بحث کہیں تو ناصبیت کے درجہ کو پہنچ گئی ہے اور کہیں اس کی سرحد تشیع سے جا ملی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا عمل خدمت نہیں بلکہ بدخدمتی ہے اور ایک ایسی راہ پر بے احتیاطی سے قدم رکھنا ہے، جو شیشہ سے زیادہ نازک اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ **فإلی اللہ المشتکی وبہٖ التوفیق .**

آثار صحابہ

اصطلاح میں صحابہ کے اقوال وافعال کو کہتے ہیں۔

صحابہ ﷺ نے جس طرح اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین حق کی صیانت وحفاظت میں رسول اللہ ﷺ کی بھرپور نصرت وحمایت کی اور آپ کی رفاقت کا حق ادا فرمایا، نیز رسول اللہ ﷺ کی صحبت بافیض سے گہری بصیرت، دین کا فہم صحیح اور عمیق علم حاصل کیا اور اس اعتبار سے بھی ان کا درجہ ومقام یقیناً بعد میں آنے والی اُمت سے بدرجہا بلند وبالا ہے، اسی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا کہ صحابہ ﷺ کے فتاویٰ کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کے جو مذاہب نقل کئے گئے ہیں، ان کی تفصیل اس طرح ہے :

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

(۱) امام شافعیؒ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ ابتداءً آثار صحابہ کو حجت مانتے تھے؛ لیکن بعد میں آپ کی رائے بدل گئی تھی اور آپ اس کو حجت تسلیم نہ کرتے تھے، امام نوویؒ نے امام شافعیؒ کے نقطۂ نظر کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، فرماتے ہیں :

> **إذا قال الصحابي قولاً ولم يخالفه غيره ولم ينتشر فليس هو إجماعاً ، وهل هو حجة ؟ فيه قولان للشافعي ، الصحيح الجديد أنه ليس بحجة والقديم أنه حجة فإن قلنا : هو حجة ، قدم على القياس ، أما إذا اختلف الصحابة فإن قلنا بالجديد لم يجز تقليد واحد من**

---

(۱) حاشیہ صاوی علی الشرح الصغیر: ۴/۴۴-۴۴۳۔

الفريقين بل يطلب الدليل ، وإن قلنا بالقديم فهما دليلان تعارضا فيرجح أحدهما على الأخر بكثرة العدد . (۱)

جب صحابی کی کوئی رائے ہو، دوسرے صحابہ سے اختلاف منقول نہ ہو اور صحابی کا وہ قول مشہور نہ ہوا ہو، تو یہ اجماع نہیں، لیکن کیا وہ حجت بھی ہے؟ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو رائیں منقول ہیں، صحیح اور جدید قول یہ ہے کہ حجت بھی نہیں، قول قدیم کے مطابق حجت ہے، پس اگر ہم صحابہ کے ایسے اقوال کو حجت مان لیں تو وہ قیاس پر مقدم ہوں گے، اگر صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہو تو قول جدید کے مطابق کسی کی تقلید جائز نہ ہوگی ؛ بلکہ دلیل پر فیصلہ کیا جائے گا اور قول قدیم کے مطابق دونوں اقوال متعارض دلیل سمجھے جائیں گے اور ایک کو دوسرے پر اس بنیاد پر ترجیح دی جائے گی کہ صحابہ کی زیادہ تعداد کس رائے کی حامی ہے؟

اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ بات جو امام نوویؒ نے کہی ہے اور عام طور پر جو علماء اُصول کے درمیان معروف ہے، محل نظر ہے اور خود حضرت الامام کی تحریروں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہے، امام شافعیؒ الرسالہ میں تحریر فرماتے ہیں :

قلت إلى اتباع قول واحد إذا لم أجد كتاباً ولا سنة ولا إجماعاً ولا شيئاً في معناه هذا يحكم له بحكمه أو وجد معه قياس وقل مايوجد من قول الواحد منهم لا يخالفه غيره من هذا . (۲)

میں کہتا ہوں کہ ایک صحابی کے قول کی بھی اتباع کی جائے گی ، بشرطیکہ کتاب اللہ ، سنتِ رسول، اجماع اوراس کے ہم درجہ حکم کا ماخذ یا قیاس نہ پایا جائے ؛ لیکن ایسا کم ہوتا ہے کہ کسی صحابی سے ایسی رائے منقول ہو کہ دوسرے صحابی نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو۔

امام شافعیؒ کی ' کتاب الام ' جس کو ان کے قول جدید کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، اس میں ایسے بہت سے ایسے احکام موجود ہیں، جن میں امام شافعیؒ نے محض آثارِ صحابہ سے استدلال کیا ہے، مثلاً حضرت الامام کے نزدیک ' یمین لغو ' کا مصداق وہ قسمیہ کلمات ہیں جو بے ساختہ زبان پر آجائیں اور اس کے لئے دلیل محض حضرت عائشہؓ کا فتویٰ ہے :

أما الذي نذهب إليه فهو ماقالت عائشةؓ . (۳)

---

(۱) شرح مہذب: ۱/۱۲۵۔ (۲) الرسالہ: ۸۲۔

(۳) الأم: ۷/۲۴۲۔

بڑھاپے کی وجہ سے جو شخص روزہ نہ رکھ سکے، امام شافعیؒ اس پر فدیہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں۔(۱)

اس لئے امام شافعیؒ کی طرف آثار صحابہ کو حجت نہ ماننے کی نسبت صحیح نظر نہیں آتی، اصل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کسی حدیث نبوی یعنی حدیث مرفوع کی موجودگی میں آثارِ صحابہ کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے :

إن كان يروىٰ عمن دون رسول الله حديث يخالفه لم ألتفت إلى ماخالفه وحديث رسول الله أولىٰ أن يؤخذ به . (۲)

دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ امام شافعیؒ کو جن دو جماعتِ فقہاء حنفیہ اور مالکیہ سے سابقہ پیش آیا، وہ دونوں ہی بعض حالات میں آثارِ صحابہ کو خبر واحد پر ترجیح دے دیا کرتے تھے، امام شافعیؒ کو اس طریقۂ ترجیح سے سخت اختلاف ہے اور انھوں نے اپنے مزاج کے مطابق اس پر شدید نقد کیا ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ پانچ وسق سے کم مقدار غلہ میں عشر واجب نہیں ہے، احناف اس پر عامل نہیں ہیں اور کتاب وسنت کے عموم کے ساتھ ساتھ بعض صحابہ کے آثار سے بھی اس پر استدلال کرتے ہیں، امام شافعیؒ نے اس پر نقد کیا ہے،(۳) —— حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، حنفیہ حضرت ابن عمر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ بلی کے جھوٹے سے وضوء مکروہ لیکن درست ہے، امام صاحبؒ نے اس کو حدیث کی مخالفت قرار دیا ہے،(۴) —— اسی طرح کی تنقیدیں آپ نے مالکیہ پر بھی کی ہیں، بلکہ مالکیہ کے یہاں چوں کہ آثارِ صحابہ سے استدلال زیادہ ہے، اس لئے ان پر آپ کی تنقید کا لب ولہجہ بھی ذرا تیکھا ہے، فرماتے ہیں :

عن ابن عمر أنه كان إذا اغتسل من الجنابة نضح في عينيه الماء ، قال مالک : ليس عليه العمل ، قال الشافعي : هذا مما تركتم على ابن عمر ولم ترووا عن أحد خلافه ، فإذا وسعكم الترک على ابن عمر لغير قول مثله لم يجز لكم أن تقولوا قوله حجة على مثله . (۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب غسل جنابت فرماتے تو آنکھوں میں بھی پانی بہاتے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے پر عمل نہیں ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی مثال ہے کہ تم لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے چھوڑتے ہو؛ حالاں کہ

(۱) الأم:۷/۲۴۵۔ (۲) الأم:۷/۱۹۱،باب اختلاف مالك والشافعي۔
(۳) الأم:۷/۹۵-۹۴۔ (۴) الأم:۷/۱۹۲۔ (۵) الأم:۷/۲۴۲۔

کسی صحابی سے اس کی مخالف رائے نقل نہیں کرتے تو جب تم ابن عمرؓ کی رائے کسی
صحابی کے اختلاف کے بغیر ترک کر سکتے ہو تو پھر دوسرے صحابی پر ان کی رائے کو کیوں
کر حجت قرار دے سکتے ہو؟

اس لئے عاجز کا خیال ہے کہ آثارِ صحابہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حجت ہیں؛ البتہ یہ کسی بھی صورت میں خبر واحد پر ترجیح اور اولیت کی حقدار نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ اگر صحابی کی یہ رائے اس کے عہد میں مشہور ہوگئی ہو، تب وہ حجت ہوگی ورنہ نہیں، امام غزالیؒ، علامہ آمدیؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔(۱)

مالکیہ وحنابلہ کی رائے

(۳) فقہاء حنابلہ سے اس سلسلہ میں مختلف اقوال منقول ہیں، قول راجح یہ ہے کہ صحابی کا قول حجت ہے اور اس کی تقلید واجب ہے، چنانچہ علامہ نجم الدین طوفی حنبلی فرماتے ہیں :

الثاني : قول صحابي لم يظهر له مخالف حجة يقدم على القياس ويخص به العام ، وهو قول مالك و بعض الحنفية خلافا لأبي الخطاب و جديد الشافعي و عامة المتكلمين . (۲)

طوفی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات مالکیہ کی بھی رائے ہے، چنانچہ اکثر اہل علم نے مالکیہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کے اقوال قیاس پر مقدم ہیں، یہی رائے ابوبکر جصاص رازیؒ اور ابوسعید بردعیؒ وغیرہ کی ہے،(۳) ـــ رازی نے بواسطہ کرخی نقل کیا ہے کہ میں امام ابو یوسف کو بعض مسائل کے بارے میں دیکھتا ہوں کہ کہتے ہیں: قیاس تو یہ ہے؛ لیکن میں نے اس کو قول صحابی کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے: **القياس كذا إلا أني تركته للأثر ، وذلك الأثر قول واحد من الصحابة۔(۴)**

حنفیہ کا نقطۂ نظر

(۴) حنفیہ کی رائے میں کچھ تفصیل ہے :

---

(۱) نهاية السول:۳۶۷۔

(۲) شرح مختصر الروضۃ:۳/۱۸۵، نیز دیکھئے: الواضح فی اصول الفقہ لابن عقیل حنبلی:۲/۳۸۔

(۳) الإحكام للآمدی:۴/۲۰۱۔

(۴) أصول السرخسي:۲/۱۰۵۔

(الف) جن مسائل میں قیاس واجتہاد کی گنجائش نہیں، ان میں صحابی کا قول بالاتفاق حجت ہے؛ کیوں کہ جب اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، تو ضرور ہے کہ صحابی نے یہ رائے کسی نص کی بنیاد پر قائم کی ہوگی؛ چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں :

ولا خلاف بين أصحابنا المتقدمين والمتاخرين أن قول الواحد من الصحابة حجة فيما لا مدخل للقياس في معرفة الحكم فيه . (۱)

امام سرخسیؒ نے اس کی بہت سی مثالیں نقل کی ہیں، جیسے مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم کا ہونا حضرت علیؓ کا قول ہے، جسے ہم نے لیا ہے، حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوگی، اس میں حضرت انسؓ کا قول لیا گیا ہے، نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہوگی، اس میں حنفیہ نے عثمان بن ابی العاصؓ کے قول کو لیا ہے، اپنی فروخت کی ہوئی چیز کو قیمت کی ادائیگی سے پہلے ہی خریدار سے کم قیمت پر خرید کر لینا جائز نہیں، یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے اور حنفیہ نے اسے اختیار کیا ہے، کوئی شخص اپنی اولاد کو ذبح کرنے کی نذر مان لے تو اس کی جگہ اس کو بکرا ذبح کرنا چاہئے، یہ عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے، جس پر احناف کا عمل ہے، (۲) —— متعدد مسائل ہیں کہ احناف نے ان میں قیاس کے مقابلہ صحابی کے فتویٰ کو قابل ترجیح سمجھا ہے۔

(ب) جو مسائل قیاسی و اجتہادی ہوں، تو اس میں صحابی کے قول کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، امام کرخی کی رائے ہے کہ ان مسائل میں صحابی کا قول حجت نہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ صحابی نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہو، اور ابوسعید بردعی کے نزدیک ایسے مسائل میں بھی صحابی کا قول حجت ہے، اور وہ قیاس سے مقدم ہوگا (۳) —— عام طور پر حنفیہ کا عمل ابوسعید بردعی کے قول پر ہے، سرخسی نے اس کی بہت سی مثالیں نقل کی ہیں، قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل جنابت اور وضو دونوں میں سنت ہو؛ لیکن احناف نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی بنیاد پر ان کو غسل میں واجب اور وضو میں سنت قرار دیا، قیاس کا تقاضہ ہے کہ خون زخم کے اوپر نکل آئے اور نہ بہہ پائے تو بھی وہ ناقض وضو ہو؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی وجہ سے قیاس کو چھوڑتے ہوئے اس کو ناقض وضو قرار نہیں دیا گیا، مرض وفات میں وارث کے لئے دین کا اقرار کیا جائے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ جائز ہو؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کی بنا پر اس اقرار کو غیر معتبر قرار دیا گیا، اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ طے پائے کہ اگر خریدار نے تین دنوں تک قیمت ادا نہیں کی، تو معاملہ ختم ہو جائے گا،

---

(۱) أصول السرخسي: ۱۱۰/۲۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) أصول السرخسي: ۱۰۵/۲، نیز دیکھئے: أصول البزدوی: ۲۳۴۔

تو قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کی بنا پر ہم نے اس معاملہ کو درست قرار دیا۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہؒ سے ان کے طریقۂ اجتہاد کی جو تفصیل منقول ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کتاب وسنت کے بعد صحابہ کے فتاویٰ کو مطلقاً حجت مانتے تھے، اور ایک مستقل دلیل شرعی کی حیثیت سے اس کو پیش نظر رکھتے تھے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں :

> میں اولاً کتاب اللہ کی طرف رُجوع کرتا ہوں، اس میں نہ ملے تو حدیث کی طرف، دونوں میں نہ ملے تو صحابہ کے اقوال سے اخذ کرتا ہوں، ان میں سے جن کی رائے چاہتا ہوں، قبول کرتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں کرتا، پھر جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء اور سعید بن مسیّب تک پہنچتا ہے، تو وہ بھی اجتہاد کرتے تھے اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔(۲)

آثارِ صحابہ سے حدیث کی تخصیص

اسی سے ایک دوسرا مسئلہ یہ متعلق ہے کہ اگر کوئی حدیث عام ہو، تو کیا صحابی کے قول وفعل سے اس میں تخصیص ہوسکتی ہے، یعنی بعض افراد کا اس حکم سے استثناء کیا جا سکتا ہے؟ —— اس سلسلہ میں دو نقاط نظر ہیں، ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ چوں کہ قول صحابی بھی حجت ودلیل ہے، اس لئے اس کی وجہ سے حدیث کے عمومی حکم میں تخصیص کی جاسکتی ہے، دوسری رائے اس کے برخلاف ہے، (۳) —— دوسرا قول امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے اور پہلا احناف اور حنابلہ کا، (۴) —— امام مالکؒ کے طریقۂ اجتہاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول صحابی کی بناء پر حدیث کے عمومی مفہوم میں تخصیص کو درست سمجھتے تھے، یہ ایک بنیادی اور اہم مسئلہ ہے اور اس سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کم علم لوگوں کو ائمہ مجتہدین کے بارے میں غلط فہمی ہوتی ہے —— صحابہ نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے دین کو حاصل کیا ہے اور وہ ورع وتقویٰ اور خشیتِ الٰہی میں پوری اُمت پر فائق ہیں؛ اس لئے اگر کسی حکم شرعی سے واقف ہونے کے باوجود ان کا فتویٰ یا عمل بظاہر اس کے خلاف جاتا ہو، تو ضرور ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے سیکھ کر اور آگہی حاصل کر کے ہی یہ عمل کیا ہوگا، اگر یہ بات پیش نظر رہے تو وہ بدگمانی پیدا نہ ہوگی، جس میں آج کل مسلمانوں کا ایک ظاہر بیں گروہ مبتلا ہے۔

---

(۱) أصول السرخسي:۱۰۶/۲۔ (۲) تاریخ بغداد:۳۶۸/۱۳۔

(۳) الواضح في أصول الفقه:۳۵۸/۲۔ (۴) الإحكام في أصول الأحكام للآمدي:۳۵۸/۲۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہوجائے ،تو اس فرض کے سوا کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے ؛لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ،حضرت ابوالدرداء ،حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں صحیح حدیثیں موجود ہیں کہ انھوں نے مسجد کے دروازہ پر ، یا مسجد کے کسی گوشے میں ، یا صفوں سے ہٹ کر نماز ادا فرمائی ، پھر جماعت میں شریک ہوئے ،(۱) — چنانچہ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء نے ان صحابہ کے آثار کی بنیاد پر یہ رائے قائم فرمائی کہ اگر جماعت کے بالکلیہ فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہوتو جماعت کی جگہ سے ہٹ کر سنت فجر ادا کرلینا بہتر ہے،اسی طرح حدیث میں جمعہ کی فرضیت کا حکم عام ہے؛لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ موجود ہے کہ جمعہ وعیدین شہر سے متعلق عبادتیں ہیں ؛ چنانچہ حنفیہ نے اسی بنیاد پر نماز جمعہ کے لئے شہر ہونے کی شرط لگائی ہے، یہ حدیث کے مقابلہ رائے پر عمل کرنا نہیں ہے ؛ بلکہ قول صحابی — جو خود بھی حدیث کے درجہ میں ہے — کی بنیاد پر حدیث کے ایک عمومی حکم میں تخصیص ہےاور یہ اس حسن ظن کی بنیاد پر ہے کہ یہ جماعت صحابہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی تربیت یافتہ ہے،اس لئے ان کے اقوال وافعال منشاء نبوی ہی کے ترجمان ہیں،اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کے اولین تلامذہ ومستفیدین کے بارے میں ان کے شایان شان توقیر واحترام کی توفیق عطا فرمائے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ''۔

○ ○ ○

(۱) دیکھئے:آثار السنن ، باب من قال : يصلي سنة الفجر عند اشتغال الإمام بالفريضة خارج المسجد الخ۔

کرنسی اوراموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے معیار
اور
سونا وچاندی میں ضم نصاب کا مسئلہ

خالدسیف اللہ رحمانی

١- اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ اغنیاء پر واجب ہوتی ہے اور اسے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقراء هم**''(١) لیکن سوال یہ ہے کہ اغنیاء سے کون لوگ مراد ہیں، کیا یہ عرف اور لوگوں کے حالات پر موقوف ہے یا اس کے لئے کوئی متعین معیار ہے؟ — اس سلسلہ میں شریعت نے ان اغنیاء کے لئے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، ایک خاص معیار مقرر کیا ہے، اس معیار کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اموال میں زکوٰۃ واجب قرار نہیں دی ہے؛ بلکہ مخصوص اموال سے ہی زکوٰۃ کا حکم متعلق کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں :

- معدنیات: سونا، چاندی۔
- مویشی: اونٹنی، گائے، بکریاں، دنبہ اور مینڈھا (نر و مادہ) — البتہ گھوڑے میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔(٢)
- زرعی پیداوار: جمہور کے نزدیک ایسی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے، جو دیرپا ہوں، جیسے: چاول، گیہوں، دال، مکئی وغیرہ، جو چیزیں دیرپا نہ ہوں، جیسے: سبزیاں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہی رائے احناف میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام ہی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔(٣)
- مالِ تجارت: تجارت جس چیز کی بھی کی جائے، اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان کے علاوہ جو اموال ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

---

(١) دیکھئے: مسلم، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حدیث نمبر: ١٢١۔

(٢) دیکھئے: ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ: ١/١٧٨۔ (٣) دیکھئے: ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ: ١/٢٠٩۔

۲- پھران اموال کی تھوڑی یا زیادہ ہر مقدار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ؛ بلکہ شریعت نے ایک نصاب متعین کر دیا ہے،اس نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تب زکوٰۃ کا حکم متعلق ہوتا ہے،صرف زرعی پیداوار کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کے لئے بھی ایک نصاب متعین ہے،اسی کے قائل احناف میں امام ابویوسفؒ اورامام محمدؒ بھی ہیں،امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زرعی پیداوار کے لئے کوئی نصاب متعین نہیں،اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔(۱)

۳- مالِ تجارت اورکرنسی (فلوس) میں زکوٰۃ واجب ہونے ، نیز حرمانِ زکوٰۃ کے لئے کوئی مستقل نصاب مقرر نہیں،اس لئے کہ :

- تجارت مختلف اموال کی ہوسکتی ہے،اس کے لئے کسی خاص مالِ تجارت کو معیار مقرر کرنا دشوار ہوتا۔
- فلوس کے لئے کوئی معیار اس لئے مقرر نہیں کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس کا چلن ہی شروع نہیں ہوا تھا۔
- استحقاقِ زکوٰۃ کے لئے قرآن مجید نے فقر کو معیار بنایا ہے اور فقر اور غنا ایک دوسرے کی ضد ہیں ؛ لہٰذا جو غنی نہیں ہوگا وہ فقیر ہوگا،اس سے اشارۃً حرمانِ زکوٰۃ کا معیار متعین ہوگیا۔

فلوس اوراموالِ تجارت کے لئے نصاب

۴- اب سوال یہ ہے کہ فلوس اور مالِ تجارت کے لئے کس نصاب کو معیار بنایا جائے گا ، جانوروں کے نصاب کو، زرعی پیداوار کے نصاب کو یا سونا اور چاندی کے نصاب کو؟

اس سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فلوس کی اہمیت اسی حیثیت سے ہے کہ وہ ثمن اور اشیاء کے تبادلہ کا ذریعہ ہیں،اس لئے سونا اور چاندی جو خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بطور ثمن کے استعمال ہوا کرتے تھے، وہی اس کے لئے معیار ہوں گے ؛ کیوں کہ ثمن ہونے کے لحاظ سے دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں،فرق یہ ہے کہ سونا اور چاندی خلقی ثمن ہیں اور فلوس اصطلاحی ثمن ۔

اسی طرح اموالِ تجارت کے لئے بھی فقہاء نے سونا اور چاندی کو معیار بنایا ہے ؛ کیوں کہ اموالِ تجارت مختلف چیزیں ہوسکتی ہیں، یہاں تک کہ مٹی بھی ،ان کے لئے سونا ، چاندی کو معیار بنانے میں سہولت تھی ؛ کیوں کہ یہی ذریعۂ تبادلہ تھے اور جو چیز ذریعہ تبادلہ ہو، اس کے ذریعہ اشیاء کی معنوی قدر متعین کرنا آسان ہوتا ہے ؛ چنانچہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے :

---

(۱) دیکھئے:بدایۃ المجتہد لابن رشد ، کتاب الزکوٰۃ ،الفصل الخامس فی نصاب الحبوب :۱/۲۷۳،مع تحقیق الاستاذ محمد الأمد،نیز دیکھئے:ھدایہ ، باب الزکوٰۃ الزروع والثمار:۱/۲۰۹۔

أما العروض فتضم قيمتها إلى الذهب أو الفضة ويكمل بها نصاب كل منهما ، قال ابن قدامة : لا نعلم في ذلك خلافا ، وفي هذا المعنى العملة النقدية المتداولة .(۱)

سامان (تجارت) کی قیمت، سونے یا چاندی کے ساتھ ضم کی جائے گی اور اس کے ذریعہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصاب پورا کیا جائے گا، ابن قدامہ کا بیان ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور مروج کرنسی کا بھی یہی حکم ہے۔

کاغذی کرنسی کی مختصر تاریخ

۵- چنانچہ عرصہ تک سونا اور چاندی اور ان کے ساتھ ساتھ فلوسِ نافقہ کو ثمن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، ہندوستان میں مغلوں کے اخیر دور تک بھی نقرئی اور طلائی دونوں طرح کے سکے مروج تھے، مگر آہستہ آہستہ صورتِ حال بدلتی گئی، چاندی کے کرنسی کے طور پر استعمال کرنے کا سلسلہ ختم ہوتا چلا گیا اور صرف سونے کو کرنسی کے لئے معیار تسلیم کیا جانے لگا، —— اصل یہ ہے کہ ایک زمانے میں انسان اپنی ضروریات کی چیزوں کا اُن ہی اشیاء کے ذریعہ تبادلہ کیا کرتا تھا، جیسے ایک شخص کے پاس چاول ہیں اور اسے گوشت کی ضرورت ہے تو وہ گوشت والے کو چاول دیتا اور اس کے بدلہ میں گوشت حاصل کرتا، ایک شخص کے پاس کپڑا ہے اور اسے شکر کی ضرورت ہے تو وہ اسے کپڑا دیتا اور شکر حاصل کرتا، لین دین کے اس طریقہ میں بڑی دشواری ہوتی؛ کیوں کہ اس طرح آدمی کو بعض اوقات منوں اور ٹنوں سامان لے کر بازار میں نکلنا پڑتا؛ تاکہ وہ اپنی مختلف ضروریات کو مہیا کر سکے، دوسرے یہ ضروری نہیں کہ آپ جو سامان لینا چاہتے ہیں، اس سامان کے مالک کو اس چیز کی ضرورت ہو جو آپ کے پاس مہیا ہے، اس طرح اشیاء ضرورت کو حاصل کرنے میں دشواری پیش آتی تھی، اس پس منظر میں لوگوں نے سوچا کہ کسی ایسی قیمتی دھات کو اشیاء کے تبادلہ کا ذریعہ بنایا جائے، جس میں لوگوں کی رغبت بھی ہو اور اس کا وزن بھی زیادہ نہ ہو، اسی لئے سونے اور چاندی کے سکوں کا آغاز ہوا، رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں روم میں سونے کا سکہ چلتا تھا، جسے ''دینار'' کہا جاتا تھا اور ایران میں چاندی کا سکہ، جسے ''درہم'' کہا جاتا تھا، یہی دونوں سکے عرب میں مروج تھے اور قیمت کے لئے معیار کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے، ان کے اوزان ایک حد تک مقرر تھے؛ لیکن اس پر کنٹرول نہیں تھا، مسلمانوں نے اس پر توجہ دی، سکوں کے اوزان مقرر کئے اور حکومت کے زیر نگرانی اس کی ڈھلائی کا انتظام کیا،

(۱) الموسوعة الفقهية ، زكوٰة ، ضم الذهب إلى الفضة في تكميل النصاب وضم عروض التجارة اليها ، معزيا إلى ،ابن عابدين:۳۴/۲،والمجموع:۱۸/۶،والمغنی:۳/۳-۳،والدسوقی علی الشرح الکبیر:۴۵۵/۱۔

متفرق اوزان کے درہم پائے جاتے تھے، جو اختلاف کا باعث بنتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان سب کو ختم کر کے اوران کے وزن کا اوسط نکال کر ایک خاص وزن مقرر فرمایا، جس کو ''وزن سبعہ'' کہا جاتا ہے۔

طویل عرصہ تک یہی سونے اور چاندی کے سکے ذریعہ تبادلہ تھے اور چوں کہ یہ دھاتیں بذاتِ خود قیمت کی حامل تھیں؛ اس لئے جعلی سکے ڈھالے نہیں جاتے تھے، اس بناپر افراط زر پیدا نہیں ہوتا تھا اور کرنسی کی قیمت میں استحکام رہتا تھا، پھر آہستہ آہستہ ان کے کاغذی وثائق جاری ہونے لگے، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اسٹاک ہوم کے بینک نے کاغذی دستاویز جاری کئے، جو سونے اور چاندی کے سکوں کی ذمہ داری کا اقرار نامہ تھا اور جس میں وعدہ کیا جاتا تھا کہ عندالطلب بینک اتنا معدنی سکہ ادا کردے گا، پھر جب بینک اس طرح کے دستاویز جاری کرنے لگے اور لوگوں کو اس پر اعتماد ہوگیا، نیز لوگوں میں بوجھل سکوں کے بجائے کاغذی دستاویزات کی طلب بڑھ گئی تو انیسویں صدی کے نصف آخر میں باضابطہ کاغذی نوٹوں کی اجرائی کا قانون بن گیا اور کہا گیا کہ اگر ان نوٹوں کا حامل مطالبہ کرے تو بینک اس کو ان کی قیمت کے برابر سونا ادا کرے گا۔

اب تیسرا مرحلہ پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے بعد شروع ہوا، جب حکومت نے لوگوں پر کاغذی نوٹوں کے لین دین کو لازمی قرار دے دیا؛ البتہ ان کے لئے اس کی گنجائش رکھی کہ اگر وہ اس کے بقدر سونا یا چاندی حاصل کرنا چاہیں تو کرسکیں گے، ۱۹۱۴ء میں یہ قانون بن گیا؛ مگر کاغذی سکوں کے ساتھ سونے کا سہارا ۱۹۴۵ء تک باقی رہا، دوسری جنگِ عظیم ختم ہونے اور دنیا میں معاشی بحران کے سر اُٹھانے کے بعد ایک عالمی معاہدہ ہوا کہ تمام کرنسیاں امریکی ڈالر سے مربوط رہیں گی اور امریکی ڈالر سونے سے، گویا اب بھی کرنسی کا سونے سے باضابطہ ربط تھا، گو یہ ڈالر کے واسطہ سے تھا؛ لیکن جب ویتنام کی جنگ نے امریکہ کو معاشی بحران سے دوچار کیا، لوگوں میں بے اطمینانی پیدا ہوگئی اور اس کی وجہ سے امریکی بینکوں سے سونے کا مطالبہ ہونے لگا تو امریکہ نے محسوس کیا کہ اس طرح تو اس کا سونے کا پورا محفوظ ذخیرہ ختم ہوجائے گا؛ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں امریکہ نے اعلان کردیا کہ اب وہ سونا ادا کرنے کا پابند نہیں، اس طرح کاغذی کرنسی نے بذاتِ خود ذریعہ تبادلہ کی حیثیت اختیار کرلی۔(۱)

غرض کہ اب سونا براہِ راست کرنسی باقی نہیں رہا؛ لیکن اب بھی کسی ملک کی کرنسی کی قدر متعین کرنے میں سونے کا ایک اہم رول ہوتا ہے، اسے دنیا کے تمام مرکزی بینکوں میں ایک اہم محفوظ سرمایہ (Reserve asset) مانا جاتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک سونے کے محفوظ ذخیرہ (Gold Reserve) کی وافر مقدار رکھتے ہیں؛ تاکہ ان کی کرنسی مضبوط رہے اور خاص کر ڈالر کے مقابلہ میں کمزور نہ ہوجائے، اگر ڈالر میں کمزوری آتی ہے تو اس کی تلافی بھی سونے کی قیمت کو تقویت دے کر کی جاتی ہے، آج بھی سونا تقریباً دنیا کے مرکزی بینکوں کا اصل مالی سرمایہ

(۱) دیکھئے: أحكام النقود فی الشريعة الاسلامية:۳۱-۳۲، تالیف: محمد سلامۃ جبر۔

(Financial asset) سمجھا جاتا ہے،۱۴/اگست ۲۰۰۹ء کو مرکزی بینکوں بالخصوص مغربی ممالک کے بینکوں کا تیسرا اجلاس سنٹرل بینک گولڈا یگریمنٹ (Cantral Bank Gold Aggrenent) کے عنوان سے ہوا، جس میں توثیق کی گئی کہ سونا عالمی مالیاتی ذخیرہ کے ایک اہم عنصر کے طور پر باقی رہے گا، آج بھی سمجھا جاتا ہے کہ سونا افراطِ زر سے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے اور سرمایہ کار اس بات کو بہتر سمجھتے ہیں کہ اپنی سرمایہ کاری کا ایک حصہ سونے میں لگائیں، سونے کی اسی اہمیت کی وجہ سے مغربی مرکزی بینکوں نے مل کر ستمبر ۱۹۹۹ء میں معاہدہ کیا کہ ایک متعین حد سے زیادہ سونا نہیں بیچا جائے گا؛ چنانچہ ہر پانچ سال پر اس معاہدے کی تجدید ہوتی رہتی ہے، جس کو سنٹرل بینک گولڈا یگریمنٹ (Cantral Bank Gold Aggrenent) کہا جاتا ہے، یہاں تک کہ سوئزرلینڈ کی کرنسی (Swis Franc) تو ۲۰۰۰ء تک پوری طرح سونے میں قابل انتقال تھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کرنسی کی قدر کا کچھ نہ کچھ سونے سے تعلق اب بھی باقی ہے اور یہ سرمایہ کاروں کے لئے ایک مرغوب ترین شئے ہے؛ مگر چاندی کا کرنسی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اسی لئے اب لوگوں میں اس کی رغبت کم ہوگئی ہے۔

سونا اور چاندی کے لئے نصاب

۶- چوں کہ چاندی کا کرنسی سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، اس لئے موجودہ دور میں چاندی کی قیمت میں ایسا انحطاط پیدا ہوگیا کہ اب چاندی کے نصابِ زکوٰۃ ''۶۱۲ رگرام'' کی قیمت بہت معمولی ہوگئی ہے، اب اس وقت چاندی کا نصاب ہندوستان میں بارہ، تیرہ ہزار روپے میں پورا ہو جاتا ہے، جب کہ سونے کے نصاب کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیوں کے قریب ہوتی ہے، ان حالات میں یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ :

(۱) اگر کوئی شخص صرف سونے کا مالک ہو تو سونے کے مکمل نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہو۔

(۲) اگر صرف چاندی کا مالک ہو تو چاندی کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہو۔

(۳) اگر کچھ مقدار چاندی کی اور کچھ مقدار سونے کی ہو تو صاحبین کے مسلک کے مطابق ضم بالقیمۃ کے بجائے ضم بالاجزاء کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی نصف نصاب سونے کا ہو اور نصف چاندی کا، یا ایک تہائی سونے اور دو تہائی چاندی کا وغیرہ، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی ؛ کیوں کہ سونے کے لئے سونے کا نصاب اور چاندی کے لئے چاندی کا نصاب نص سے ثابت ہے اور جو بات نص سے ثابت ہو، اس میں اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

کرنسی اور مالِ تجارت کے لئے نصاب اور موجودہ عہد کا تقاضا

۷- کرنسی اور مالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے نیز حرمانِ زکوٰۃ کے لئے سونے کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے، ـــــ اس کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں :

(الف) زکوٰۃ کا اصل مقصد فقراء کی حاجت کو دور کرنا ہے اور انسان کی ضرورت سونے چاندی سے براہ راست پوری نہیں ہوتی، نہ اس سے بھوک مٹ سکتی ہے اور نہ اس سے تن ڈھک سکتا ہے؛ چنانچہ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ جو اموالِ زکوٰۃ مقرر کئے گئے ہیں، وہ سب ایسے ہیں جن سے براہ راست انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے تو آخر ان چیزوں کے ساتھ ساتھ سونے اور چاندی میں کیوں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی؟—— اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ ثمن اور ذریعہ تبادلہ ہیں، اس لئے یہ بالواسطہ انسان کی تمام ضروریات کو پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو نہ صرف زکوٰۃ؛ بلکہ ربا اور دیت میں بھی معیار بنایا گیا؛ چنانچہ علامہ علاء الدین کاسانیؒ سونے اور چاندی کے ضم نصاب کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ولأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكوٰة فيهما وهو الاعداد للتجارة بأصل الخلقة والثمنية فكانا في حكم الزكوٰة كجنس واحد .(١)

اس لئے کہ سونا اور چاندی دو ایسے مال ہیں، جو اس مقصد کے اعتبار سے جن کی وجہ سے ان دونوں میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے، متحد ہیں، اور وہ مقصد ہے اصل خلقت اور ثمن ہونے کے اعتبار سے ذریعہ تجارت بننا؛ لہٰذا زکوٰۃ کے حکم میں ان دونوں کی ایک ہی جنس سمجھی جائے گی۔

اسی پر گفتگو کرتے ہوئے صاحب شرح کبیر فرماتے ہیں :

ولأنهما نفعهما واحد والمقصود منهما متحد ؛ فانهما قيم المتلفات وأروش الجنايات وثمن البياعات وحلى لمن يريدهما فأشبها النوعين . (٢)

اس لئے کہ سونا اور چاندی کا نفع یکساں ہے اور ان دونوں کا مقصود ایک ہے کہ یہ ہلاک ہونے والی اشیاء کی قیمت، جنایتوں کا معاوضہ، بیچی جانے والی چیزوں کا ثمن اور زیور کی ضرورت، ان لوگوں کے لئے پورا کرتے ہیں جو ان کے ذریعہ ان مقاصد کو پورا کرنا چاہیں، لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

اس طرح کی صراحت بہت سے اہل علم کے یہاں ملتی ہے اور یہ اتنی واضح بات ہے کہ محتاجِ دلیل نہیں، اسی بنیاد پر فقہاء سونے اور چاندی کو تقدیراً مالِ نامی مانتے ہیں؛ کیوں کہ ذریعہ تبادلہ ہونے کی وجہ سے یہ تجارت کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور تجارت دولت میں نمو کا ذریعہ بنتی ہے۔

---

(١) بدائع الصنائع ، كتاب الزكوٰة ، مقدار الواجب فيه:٢/١٠٦۔

(٢) الشرح الكبير على حاشية المقنع لابن قدامة المقدسي:٧/١٦۔

اب غور کیا جائے تو اس وقت سونا تو کسی نہ کسی درجہ میں کرنسی یعنی ثمن اصطلاحی سے مربوط ہے اور چاندی کا کرنسی سے کوئی ربط نہیں؛ اس لئے جو اصل علت ثمنیت کی تھی، وہ فی زمانہ چاندی میں مفقود ہے؛ لہٰذا چوں کہ چاندی کا اموالِ زکوٰۃ میں ہونا منصوص ہے؛ اس لئے چاندی میں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ہی؛ لیکن چاندی کو دوسری چیزوں کے لئے زکوٰۃ کا معیار نہیں ہونا چاہئے۔

(ب) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سونے اور چاندی کی قیمت کے درمیان توازن تھا، یعنی دوسو درہم چاندی اور بیس دینار سونے کی قدر برابر تھی؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں :

والذهب محمول على الفضة وكان في ذلك الزمان صرف دينار بعشرة دراهم ، فصار نصابه عشرين مثقالاً . (۱)

سونے کا نصاب چاندی کے نصاب پر مبنی تھا؛ کیوں کہ اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے بدلے فروخت کیا جاتا تھا، اس لئے سونے کا نصاب ۲۰؍مثقال مقرر ہوا۔

اسی طرح صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں :

وكل دينار عشرة دراهم في الشرع فيكون أربعة مثاقيل في هذا كاربعين درهم .(۲)

شریعت کی نظر میں ہر ایک دینار دس درہم کے برابر ہے، اس لحاظ سے چار مثقال، چالیس درہم کی طرح ہوئے۔

غرض کہ بیس دینار سونا اور دوسو درہم چاندی کی قوتِ خرید مساوی ہوا کرتی تھی؛ البتہ سونے اور چاندی کی عمدگی، نیز اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کے اعتبار سے بعض اوقات کسی کی قیمت بڑھ جاتی تھی :

...... **اذا كانت قيمة أحدهما لجودته وصياغته أكثر من وزنه .(۳)**

صاحبینؒ نے جو سونے اور چاندی کے درمیان ضم بالا جزاء کی رائے اختیار کی ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ اس زمانے میں مثلاً اگر نصف نصاب سونے کا اور نصف نصاب چاندی کا ہوتا تو اس کی قدر وہی ہوتی تھی، جو بیس مثقال سونے یا دوسو درہم چاندی کی ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دیت ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کو مقرر کیا گیا ہے، یعنی وہی ایک اور دس کی نسبت ہے، موجودہ حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔

(ج) اگر چاندی کے نصاب اور دوسری اشیاء کے نصاب کی موجودہ قیمت دیکھی جائے تو ان میں بہت زیادہ فرق ہو جاتا ہے، مثلاً ذیل کا نقشہ ملاحظہ کیا جائے :

(۱) حجة الله البالغة:۱۳۰-۱۲۹،باب مقادير الزكوٰة،تحقیق:مفتی سعید احمد یوسف البالن پوری، ط: مکتبہ حجاز دیوبند۔
(۲) الهداية:۱۷۵/۱،فصل في الذهب۔ (۳) بدائع الصنائع:۱۹/۲۔

- اونٹ: کم از کم نصاب پانچ عدد، فی اونٹ دو ہزار ریال کے حساب سے دس ہزار ریال، ہندوستانی روپے میں تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپے۔
- گائے: کم از کم نصاب تیس عدد، فی گائے چھ ہزار روپے کے لحاظ سے ایک لاکھ اسی ہزار روپے۔
- بکری: کم سے کم نصاب چالیس عدد، ساڑھے تین ہزار روپے فی بکری کے لحاظ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپے۔
- سونا: سولہ ہزار روپے فی دس گرام کے حساب سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب۔
- چاندی: دوسو روپے فی دس گرام کے لحاظ سے تقریباً بارہ ہزار روپے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو چاندی کے نصاب کی موجودہ قدر نہایت ہی کم ہے؛ حالاں کہ جانوروں سے براہ راست انسانی ضروریات پوری ہوتی ہیں؛ اس لئے اس کی قدر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیوں کہ ایک گائے اگر ایک ہزار سال پہلے سو آدمی کی غذا کے لئے کافی تھی تو آج بھی اتنے افراد کے لئے وہی مقدار کافی ہوگی، اس کے باوجود اس کی قدر زیادہ ہے، برخلاف چاندی کے، مثلاً دوسو درہم چاندی سے اگر اس زمانے میں پانچ وسق (دس کنٹل کے قریب) غلہ خرید کیا جاتا ہو اور آج نہیں خرید کیا جاسکتا ہو تو یہ بات واضح ہے کہ عہد نبوی کے مقابلہ چاندی کی قدر بہت کم ہوگئی ہے اور بحیثیت ثمن اس کی جو قوت تھی وہ کمزور پڑ گئی ہے۔

(د) زکوۃ کے لئے اموال کا نصاب مقرر کرنے سے ظاہر ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ دولت کی ایک خطیر مقدار جمع ہونے کے بعد ہی اس میں زکوۃ واجب ہو اور زکوۃ کا لینا اس کے لئے حرام قرار پائے؛ جیسا کہ جانوروں کے نصاب اور سونے اور چاندی کے نصاب سے ظاہر ہے، چاندی کا یہ نصاب بھی اسی حساب سے تھا کہ اس زمانہ میں دوسو درہم سے خطیر مالیت کا حاصل کیا جانا ممکن تھا؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسو درہم چاندی یا پانچ وسق غلہ کی مقدار اس لئے مقرر کی گئی کہ یہ چھوٹے موٹے خاندان کی پورے سال کی ضرورت کے لئے کافی ہوجاتا تھا :

> **إنما قدر من الحب والتمر خمسة أوسق لأنها تكفى أقل أهل البيت إلى سنة ، وذلک لأن أقل البيت الزوج والزوجة وثالث خادم أو ولد بينهما ، وما يضاهي ذلک من أقل البيوت وغالب قوت الانسان رطل أو مد من الطعام ، فاذا أعمل على واحد من هؤلاء كفاهم لسنة ، وبقيت بقية لنوائبهم وإدامهم ، وإنما قدر من الورق خمس أواق ؛ لانها مقدار يكفى أقل أهل البيت سنة كاملة إذا كانت الاسعار موافقة فى أكثر الأقطار واستقرئ عادات البلاد المعتدلة فى الرخص والغلاء تجد ذلک . (۱)**

(۱) حجة الله البالغة:۲/۱۲۸۔

اجناس اور کھجور میں سے پانچ وسق نصاب اس لئے مقرر کیا گیا کہ یہ ایک مختصر خاندان کے سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا تھا اور یہ اس لئے کہ مختصر خاندان، شوہر بیوی، خادم یا ایک بچہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اسی طرح کی مختصر خاندان اور انسان کی زیادہ تر خوراک ایک رطل یا ایک مد کھانا ہوتا ہے، لہٰذا جب ان میں سے ایک کا حساب کیا جائے تو یہ ان کے ایک سال کی ضرورت کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور کچھ ان کی پیش آنے والی دوسری ضروریات اور ان کے سالن کے لئے بچ جاتا ہے، اسی طرح پانچ اوقیہ چاندی کو نصاب مقرر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ ایسی مقدار ہے جو ایک مختصر خاندان کے پورے سال کی ضروریات کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ قیمتیں اکثر علاقوں میں یکساں ہوں اور اگر ارزانی، گرانی کے اعتبار سے مختلف علاقوں کی درمیانہ درجہ کے معمولات کا جائزہ لیا جائے تو تم ایسا ہی پاؤ گے۔

بعض حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ پانچ وسق (۹۷۶ کیلو آٹھ سو گرام) سے کم اجناس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی: ''**لیس فیما دون خمسة أوسق زكوٰة**''(۱) جمہور اور صاحبین کے نزدیک اسی حدیث کی بنا پر اجناس میں بھی زکوٰۃ کا ایک نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے، احناف کے نزدیک اجناس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، سب میں زکوٰۃ واجب ہوگی، احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق مالِ تجارت سے ہے؛ کیوں کہ ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی، اس طرح پانچ وسق اجناس دوسو درہم کے برابر ہوئے، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ چاندی کا یہ نصاب بھی اس وقت مقرر کیا گیا تھا، جب اس سے اشیاء ضرورت قابل لحاظ مقدار میں حاصل کی جاسکتی تھیں؛ لیکن اس وقت دوسو درہم چاندی کی قیمت سے ایک خاندان کی سال بھر کی ضروریات تو کیا مہیا ہونگی، ایک مہینے کی ضرورت بھی بہ مشکل فراہم ہوسکتی ہیں؟

(ہ) فقر وغنا کے لئے شریعت میں ایک معیار مقرر کیا گیا ہے؛ لیکن اس کا تعلق عرف اور احوال سے بھی ہے؛ کیوں کہ ہر زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اس زمانہ کے لوگوں کی ضروریات ہوتی ہیں؛ چنانچہ خود فقہاء نے ''حاجتِ اصلیہ'' کو متعین کرنے میں ان کو ملحوظ رکھا ہے، اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو آج کل بارہ تیرہ ہزار کی رقم ایک حقیر رقم سمجھی جاتی ہے اور گورنمنٹ کی اقل ترین تنخواہ بھی اس سے زیادہ ہوتی ہے۔

(و) سونے اور چاندی کی حیثیت چوں کہ کرنسی کی تھی اور اس کی وجہ سے اس کو خصوصی حیثیت حاصل تھی،

---

(۱) ابوداؤد، كتاب الزكوٰة، باب ما تجب فيه الزكوٰة، حدیث نمبر: ۱۵۵۹۔

(۲) دیکھئے: هدايه، باب زكوٰة الزروع والثمار: ۲۱۰/۱۔

اسی لئے لوگ عام طور پر سونے اور چاندی کی شکل میں اپنے سرمایہ کو محفوظ کرتے تھے، یہ ایک عملی حقیقت بھی ہے اور خود قرآن مجید میں بھی ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ''(التوبۃ:۳۴) کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اب غور کریں تو موجودہ دور میں لوگ اپنے سرمایہ کو چاندی کی شکل میں محفوظ نہیں کرتے، سونے کی شکل میں محفوظ کرتے ہیں، اسی لئے سونے کے بسکٹ اور سونے کے سکے بھی بینک کی طرف سے فروخت کئے جاتے ہیں، اور اسی لئے سونے کی قیمت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ اب شادی میں بھی زیادہ اہتمام لوگ سونے کے زیورات کا کرتے ہیں اور یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ اس کی قدر بڑھتی جائے گی اور جب بھی ضرورت ہو آسانی سے اسے فروخت کیا جا سکے گا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر اس حقیر کی رائے میں ثمنیت کا پہلو سونے میں بہ مقابلہ چاندی کے زیادہ ہے، نیز لوگوں کے تعامل اور قیمت کے استحکام کے اعتبار سے سونے کا چلن بھی زیادہ ہے اور اس کی قدر سے شریعت کا یہ منشاء پورا ہوتا ہے کہ فقراء پر زکوٰۃ واجب نہ ہو، اغنیاء پر واجب ہو اور فقراء زکوٰۃ سے محروم نہ ہوں، اغنیاء محروم ہوں؛ اس لئے اس کو مالِ تجارت اور کرنسی کے لئے معیار ہونا چاہئے۔

ایک ضروری وضاحت

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ چاندی زکوٰۃ کے لئے معیار ہونے میں اصل کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے کہ چاندی کا نصابِ زکوٰۃ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اسی لئے اس پر اجماع ہے اور سونے کے نصاب میں اختلاف ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ جتنا سونا دوسو درہم چاندی کے بقدر ہو جائے اتنے میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں :

> **وأجمعوا على أنه اذا كان أقل من عشرين مثقالا ولا تبلغ مائتى درهم فلا زكوٰة فيه ، وقال عامة الفقهاء : نصاب الذهب عشرون مثقالاً من غير اعتبار قيمتها إلا ماحكى عن عطاء وطاؤس والزهرى وسليمان بن حرب وأيوب السختيانى ، أنهم قالوا : هو معتبر بالفضة ، فما كان قيمته مائتى درهم ففيه الزكوٰة والا فلا .(۱)**
>
> فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیس مثقال سے کم سونا — جو دوسو درہم کی قیمت کو نہیں پہنچے — میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ لیکن اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیمت سے قطع نظر کرتے ہوئے سونا کا نصاب بیس مثقال ہے، پہلا قول عطاء، طاؤس،

---

(۱) المغنی:۲۱۳/۴۔

زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعتبار چاندی کے نصاب کا ہے؛ لہٰذا اگر سونے کی قیمت دوسو درہم ہو تب اس میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

لیکن یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جن فقہاء نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، وہ کیوں کیا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، لہٰذا چوں کہ چاندی بھی ثمن ہے اور سونا بھی؛ اس لئے سونے کے لئے چاندی کو معیار بنایا جائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات تک وہ حدیث نہیں پہنچ پائی تھی، جو سونے کے نصاب کے سلسلہ میں ہے؛ حالاں کہ سونے کے نصاب کا ذکر متعدد حدیثوں میں ہے، چند یہاں نقل کی جاتی ہیں :

○ **عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم ...... قال : "فاذا کانت لک مائتا درهم وحال علیها الحول ففیها خمسة دراهم ولیس علیک شئ یعنی فی الذهب حتی یکون لک عشرون دیناراً ، فاذا کانت لک عشرون دیناراً وحال علیها الحول ففیها نصف دینار الحدیث " (۱) وسکت عنه ، وقال الزیلعی : الحدیث حسن . (۲)**

حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں پانچ درہم واجب ہیں اور سونے میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جب تک بیس دینار نہ ہو جائے، بیس دینار ہو جائے اور سال گذر جائے تو پھر اس میں نصف دینار دینا واجب ہے۔

○ **عن علی رضی الله عنه قال : قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ، فقال : إنا قد وضعنا عنکم صدقة الخیل والرقیق ، ولکن هاتو ربع العشر من کل أربعین درهماً درهم ، ولیس فی مادون المأتین شيء فی کل عشرین مثقالاً نصف مثقال ولیس فیما دون ذلک شيء ، رواه ابن جریر فی تهذیبه وصححه . (۳)**

---

(۱) رواہ أبوداؤد، باب زکوٰۃ السائمة، حدیث نمبر:۱۵۷۳۔

(۲) نصب الرایة:۲/۲۳۸۔

(۳) اعلاء السنن ، کتاب الزکوٰۃ ، باب نصاب الذهب:۹/۵۹، بحواله کنز العمال:۳/۳۰۶، ۳۰۷۔

حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: میں نے تم لوگوں سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کردی ہے؛ لیکن چاندی میں چالیسواں حصہ یعنی چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ ادا کرو اور دوسو درہم سے کم میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، اس طرح بیس مثقال سونے میں نصف مثقال زکوٰۃ ادا کرو، بیس مثقال سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

○ عـن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال : قال رسول الله صلى الله عـليـه وسـلـم : ليـس في مادون مائتى درهم شيء ، ولا فيما دون عشـريـن مثـقـالاً من الذهب شيء ، وفى المائتين خمسة دراهم وفى عشرين مثقالاً ذهب نصف مثقال .(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں، بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ نہیں؛ البتہ دوسو درہم میں پانچ درہم اور بیس مثقال سونے میں نصف مثقال بہ طور زکوٰۃ ادا کی جائے۔

ان احادیث کی روشنی میں ائمہ اربعہ کے بہ شمول جمہور فقہاء سونے کے نصاب کو مستقل مانتے ہیں اور بعد کے فقہاء کا تقریباً اس پر اتفاق ہو چکا ہے، پس ظاہر ہے کہ جب سونے کے نصاب پر اتفاق ہو گیا تو اب اس اختلاف سے استدلال کرنا درست نظر نہیں آتا؛ بلکہ فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دینار کو درہم کے لئے معیار بناتے تھے؛ چنانچہ علامہ زیلعی قدوری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :

وفـي التـجـريـد لـلـقدوري : لاخلاف أن الدية ألف دينار وكل دينار عشرة دراهم ولهذا جعل نصاب الذهب عشرين ديناراً ونصاب الورق مأتى درهم .(۲)

ضم نصاب کا مسئلہ

۸- جہاں تک زکوٰۃ میں ضم نصاب کا مسئلہ ہے تو جانوروں کے سلسلہ میں تو اتفاق ہے کہ اس میں ضم نصاب نہیں ہوگا، جن فقہاء کے نزدیک زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے بھی نصاب مقرر ہے، ان میں سے

---

(۱) سـنن دار قطني ، باب وجوب زكوٰة الذهب، حدیث نمبر:۱۸۸۵، نـصب الراية ، كتاب الزكوٰة ، فصل فى الذهب:۳۶۹/۲۔ (۲) نصب الراية ، كتاب الديات:۳۶۲/۴۔

امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ایک پیداوار اور دوسری پیداوار کو ملا کر اگر پانچ وسق پورے ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، حنابلہ میں علامہ ابوبکر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱)

اثمان یعنی سونے اور چاندی میں ایک نصاب دوسرے سے ضم کر کے پورا کیا جائے گا یا نہیں؟ —— اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر ہیں: ایک نقطۂ نظر حنفیہ، مالکیہ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کا ہے اور امام احمدؒ کا بھی ایک قول اسی کے مطابق ہے کہ ضم کر کے نصاب پورا کیا جائے گا، (۲) —— ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ ہونے کی اصل وجہ ثمن ہونا ہے اور ثمن سونا بھی ہے اور چاندی بھی، غرض یہ اجتہاد و قیاس ہے اور کوئی حدیث اس سلسلہ میں موجود نہیں، علامہ کاسانیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ کا اسی پر عمل تھا :

> **ولنا : ماروی عن بکیر بن عبد الله بن الاشج أنه قال : مضت السنة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب فی إخراج الزکوٰۃ .** (۳)
>
> ہماری دلیل: وہ روایت ہے جو بکیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے میں سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے کے ساتھ ضم کیا جائے۔

مگر یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے؛ البتہ ابن ابی شیبہؒ نے بعض تابعین —— ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، مکحولؒ —— سے خود ان کا یہ مذہب نقل کیا ہے۔(۴)

دوسرا نقطۂ نظر امام شافعیؒ، ابوثورؒ، داؤد ظاہریؒ، ابوعبیدؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہ کا ہے کہ سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا، ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سونا اور چاندی دو مستقل مال ہیں اور دونوں کے نصاب کی مقدار بھی الگ الگ ہے؛ اس لئے جیسے اونٹ اور بیل نیز کھجور اور کشمش کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جاتا، اسی طرح ان کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا، (۵) —— حافظ ابن رشد حالاں کہ مالکی ہیں؛ لیکن اس مسئلہ میں اس دوسرے نقطۂ نظر کے حامی نظر آتے ہیں؛ چنانچہ رقمطراز ہیں :

---

(۱) دیکھئے: المغنی: ۲۰۳/۴، مع تحقیق دکتور عبداللہ بن عبدالمحسن وغیرہ۔

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۰۶/۲، بداية المجتهد: ۲۶۵/۱، المغنی: ۲۰۳/۴-۲۰۶۔

(۳) بدائع الصنائع ، کتاب الزکوٰۃ ، مقدار الواجب فیه: ۱۰۶/۲۔

(۴) مصنف ابن ابی شبیه ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۸۰-۹۹۷۸۔

(۵) دیکھئے: کتاب الأم للشافعی ، کتاب الزکوٰۃ : ۴۰/۲، المجموع ، باب زکوٰۃ الذهب والفضة : ۳۴۸/۵، البیان فی مذهب الامام الشافعی: ۲۸۵/۳-۲۸۶، المغنی لابن قدامة: ۲۰۳/۴-۲۰۶۔

و سبب هذا الارتباک مارا موه من أن يجعلوا من شيئين نصابهما مختلف في الوزن نصابا واحداً ، وهذا كله لا معنى له ، ولعل من رام ضم أحدهما إلى الآخر فقد أحدث حكما في الشرع حيث لا يحكم ؛ لأنه قد قال بنصاب ليس هو بنصاب ذهب ولا فضة .(۱)

اس طرح ضم کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات نے دو ایسی چیزوں سے ایک نصاب تیار کیا ہے جن کا نصاب وزن کے اعتبار سے مختلف ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، جن حضرات نے چاندی سونے میں سے ایک کو دوسرے سے ضم کیا ہے، انھوں نے شریعت میں ایک ایسے حکم کا اختراع کیا ہے کہ شریعت خود ان کا حکم نہیں دیتی ہے، اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز کو نصاب قرار دیتے ہیں جو نہ سونے کا نصاب ہے اور نہ چاندی کا۔

غرض کہ سونے اور چاندی کو ایک دوسرے سے ضم کر کے نصابِ زکوٰۃ کی تکمیل ہوگی یا نہیں؟ —— اس میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، جو لوگ ضم کے قائل نہیں ہیں، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ اس پر کوئی نص موجود نہیں ہے اور سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرے اموال میں ضم کا طریقہ بالاتفاق اختیار نہیں کیا جاتا، اس کا تقاضہ ہے کہ سونے اور چاندی کے معاملہ میں بھی ضمِ نصاب کا اُصول نہیں اپنایا جائے، اور جو فقہاء ضم نصاب کے قائل ہیں، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ یہ دونوں ثمن کے قبیل سے ہیں؛ اس لئے اتحاد مقصد کے اعتبار سے یہ ایک ہی شئے کے حکم میں ہوں گے۔

صاحبین کا نقطۂ نظر —— موجودہ حالات سے ہم آہنگ

۹- پھر جو فقہاء ضم نصاب کے قائل ہیں، ان میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کو ضم کیا جائے گا، یعنی اگر کچھ مقدار سونے کی ہو اور کچھ مقدار چاندی کی اور دونوں کی قیمت بحیثیت مجموعی چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ دوسرے فقہاء امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا، یعنی سونے کے نصاب کا ایک متناسب حصہ مثلاً نصف یا ایک تہائی موجود ہو اور چاندی کے نصاب کا نصف یا دو تہائی موجود ہو تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی، امام احمدؒ سے جو ایک قول ضم نصاب کا منقول ہے تو ان کے نزدیک ضم نصاب کی یہی صورت ہے، —— امام صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قیمت کے لحاظ سے ضم کرنے میں فقراء کا فائدہ ہوگا اور بعض ایسی صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جن میں ضم بالاجزاء کے

(۱) بداية المجتهد:۱/۲۵۸۔

اُصول پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اور جمہور کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصاب سونے اور چاندی کا مقرر کیا گیا ہے نہ کہ اس کی قیمت کا؛ اس لئے اصل شئے ہی کا اعتبار ہوگا۔(۱)

۱۰- امام ابوحنیفہؒ نے ضم بالقیمۃ کا جو اُصول اختیار فرمایا، وہ اس زمانے میں جب کہ سونے اور چاندی کی قیمت میں مناسبت تھی، ان حالات میں ضم بالقیمۃ اور ضم بالا جزاء کے درمیان اپنی حقیقت کے اعتبار سے کوئی بڑا فرق نہیں تھا، اب صورتِ حال یہ ہے کہ امام صاحب کے اُصول پر اگر کوئی شخص پانچ تولے سونے یعنی اسی ہزار سے زیادہ روپے کی مالیت کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی کا مالک ہو جس کی قیمت ساڑھے سترہ ہزار کے اندر ہوگی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس طرح اگر غور کیا جائے تو ضم نصاب فقراء کے حق میں نافع ہونے کے بجائے نقصاندہ ہو جائے گا، وہ زکوٰۃ لینے کے حق سے محروم تو ہوں گے ہی، اُلٹے انھیں زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؛ اس لئے موجودہ حالات میں صاحبین کا قول زیادہ قابل عمل محسوس ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث

۱۱- حاصل یہ ہے کہ :

(الف) اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہو تو سونے کے مقررہ نصاب پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ب) اگر کسی شخص کے پاس صرف چاندی ہو تو چاندی کے نصاب پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ج) اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے کی اور کچھ مقدار چاندی کی ہو تو ضم بالا جزاء کے اُصول پر عمل ہوگا نہ کہ ضم بالقیمۃ کے قاعدہ پر۔

(د) روپے اور مالِ تجارت کے لئے سونے کا نصاب معیارِ زکوٰۃ ہوگا نہ کہ چاندی کا۔

(ہ) اگر کسی شخص کے پاس مقدارِ نصاب سے کم روپے یا اس سے کم مالِ تجارت ہو اور کچھ سونا ہو تو سونے کے ساتھ ضم بالقیمۃ کر کے زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی؛ کیوں کہ جب ان دونوں چیزوں کے لئے سونے کو معیار مانا گیا تو یہ بھی سونے ہی کے حکم میں ہے۔

(و) حرمانِ زکوٰۃ کے لئے بھی سونے کا نصاب ہی معیار ہوگا اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، اگر وہ اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ سونے کے نصاب کے بقدر مال کا مالک نہ ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا۔

هذا ماعندی ، واللہ اعلم بالصواب ، وعلمهٗ أتم وأحكم .

○ ○ ○

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع ، کتاب الزکوٰۃ :۲/۱۰۷، ردالمحتار ، باب زکوٰۃ المال :۳/۲۳۴، بدایۃ المجتهد ، ضم الذهب على الفضة:۱/۲۶۵، المغنی :۴/۲۰۶۔

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے

خالدسیف اللہ رحمانی

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا حکم ان کے لئے کیا ہوگا؟اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :

۱- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے معاملہ میں شرعاً قاضی ہوسکتا ہے؟

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو مسلمانوں کے حق میں اس کے فیصلہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

۳- کیا غیر مسلم دو مسلمانوں کے درمیان حکم بن سکتا ہے؟

۴- کیا غیر مسلم ایسے معاملات میں مسلمانوں کا وکیل بن سکتا ہے جو خالص شرعی نوعیت کے ہوں؟

۵- اگر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے تو تمام معاملات میں یا کچھ مخصوص معاملات میں؟

غیر مسلم جج

۱- بنیادی طور پر ہر انسان کو اپنے معاملات میں خود ہی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے،اسی لئے تمام عقود میں تراضی کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور تمام فسوخ میں بھی طرفین کی رضامندی ضروری ہے،سوائے اس صورت کے جس میں شریعت نے کسی ایک فریق کو ایک طرفہ طور پر اس معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہو؛البتہ جب کسی نقص کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ سے محروم ہوتا ہے تو وہ بذات خود تصرف نہیں کرسکتا؛ جیسے نابالغ ،مجنون اور سفیہ ،سفیہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد تصرف کا مجاز ہوجاتا ہے؛لیکن جمہور کے نزدیک جب تک اس کا شعور پختہ نہ ہوجائے اور سفاہت کی کیفیت ختم نہ ہوجائے ،وہ مسلوب الاختیار ہوتا ہے(۱) اور اس کا عقد یا فسخ معتبر نہیں ہوتا ہے،اسی طرح بعض اوقات مفاد عامہ کے تحت حکومت کو بعض لوگوں کے اختیارات سلب کر لینے کا حق

(۱) دیکھئے:ردالمحتار مع الدر المختار ، کتاب الحجر:۲۱۸/۹-۲۱۹،ط:دیوبند۔

حاصل ہوتا ہے: جیسے مفتی ماجن اور طبیب جاہل (۱) مفتی ماجن (آوارہ خیال مفتی) کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کا تصرف دینی اعتبار سے لوگوں کے لئے نقصاندہ ہوسکتا ہے، اور طبیب جاہل کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور زندگی کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص تصرف کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو یا رکھتا ہو؛ لیکن اس کا صحیح استعمال نہ کرتا ہو تو افراد اور سماج کے مفادات کے تحفظ کے لئے شریعت حقِ تصرف دوسروں کی طرف منتقل کرتی ہے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں 'ولایت' کہتے ہیں؛ چنانچہ ولایت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

والولاية تنفيذ القول على الغير .(۲)

ولایت دوسرے پر اپنی رائے کو نافذ کرنا ہے۔

ولایت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ولایت خاصہ اور ولایت عامہ۔

ایک شخص کو دوسرے شخص کی ذات یا املاک میں تصرف کا جو حق حاصل ہوتا ہے، وہ ولایت خاصہ ہے: جیسے لڑکوں پر باپ کی ولایت اور باپ موجود نہ ہوں تو دادا یا دوسرے قریبی رشتہ داروں کی ولایت۔

ولایت عامہ: ایسی ولایت ہے جو کسی شخص کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کو عام مسلمانوں اور ملک کے باشندوں پر حاصل ہو، جیسے امیر اور قاضی کی ولایت، امیر کے احکام جو عام مسلمانوں پر واجب الطاعت ہیں اور قاضی کے فیصلے جو فریقین کے لئے قابل نفاذ ہیں، اس کی بنیاد یہی 'ولایت عامہ' ہے۔

ولایت کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ مسلمانوں پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہوسکتی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً**'' (النساء:۱۴۱) نیز فرمایا گیا: ''**وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ**'' (التوبۃ:۷۱) اسی طرح فرمایا گیا: ''**لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاء مِن دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ**'' (آلِ عمران:۲۸) اسی بنیاد پر اُمت کا اجماع ہے کہ اگر اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر ہو تو والد کو اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی؛ چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :

لا ولاية للكافر على المسلم ؛ لأنه لا ميراث بينهما .(۳)

اسی سلسلہ میں علامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں :

...... **فلا يثبت لكافر ولاية على مسلمة ، وهو قول عامة أهل العلم**

(۱) دیکھئے: ردالمحتار مع الدرالمختار ، کتاب الحجر: ۹/۲۱۴-۲۱۵، مع تحقیق : عادل واحد۔

(۲) الدرالمختار: ۲/۱۹۱، نیز دیکھئے: کتاب التعریفات: ۲۸۲۔

(۳) بدائع الصنائع: ۲/۵۰۰۔

أیضاً ، قال ابن المنذر : أجمع عامة من نحفظ عنه من أهل العلم علی هذا .(۱)

......کافر کو مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے، علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ میں جن اہل علم کی آراء سے واقف ہوں وہ قریب قریب اس پر متفق ہیں۔

قاضی کو بھی مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی حیثیت سے نکاح فسخ کرتا ہے؛ کیوں کہ شوہر پر یہ بات واجب ہے کہ یا تو بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے اسے رکھے یا پھر بہتر طریقہ پر اسے چھوڑ دے ''فَإِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ ''(البقرۃ:۲۲۹) اگر شوہر امساک بالمعروف بھی نہیں کرتا اور تسریح بالاحسان بھی نہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب اور عورتوں کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے اور دفع ضرر قاضی کا فریضہ ہے؛ لہٰذا اسے جو ولایت عامہ حاصل تھی، اسی حیثیت سے وہ اس مرد کی طرف سے تفریق کردیتا ہے؛ چنانچہ غیر مسلم کو چوں کہ مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں، اس لئے فقہاء اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں پر قاضی نہیں ہوسکتا۔

فقہاء حنفیہ میں عیسیٰ بن عثمان غُزی فرماتے ہیں :

...... **فلا تصح ولایة الکافر فی ذلک ، لأن القضاء ولایة ولا ولایة لکافر علی مسلم فی أدنی الولایات فکیف بولایة القضاء التی هی أعلی الولایات بمقتضی تطبیق شرع الله وتنفیذ أحکامه ، قال تعالیٰ :** ''وَلَن یَجْعَلَ اللهُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلاً''(النساء:۱۰). (۲)

......اس سلسلے میں کافر کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر معمولی درجہ کی ولایت ہی حاصل نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ ولایت قضاء کہ وہ تو سب سے اعلیٰ درجہ کی ولایت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور اس کے احکام کو منطبق کرتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر اختیار نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :

---

(۱) المغنی:۹/۳٦۷۔

(۲) ادب القضاء للغزی:۱۵۔

...... **وبه علم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاءه على المسلم حال كفره .**(۱)

......اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی مقرر کرنا درست ہے؛ اگر چہ کہ حالت کفر میں مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ؛ البتہ غیر مسلموں پر اس کا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے۔

یہی نقطۂ نظر فقہاء مالکیہ کا ہے؛ کیوں کہ شہادت کا درجہ قضاء سے کم تر ہے اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں یہود ونصاریٰ کی شہادت معتبر نہیں :

ولا تجوز شهادة اليهود ولا النصارىٰ فيما بين المسلمين حتى يسلموا . (۲)

اسی کے قائل شوافع ہیں :

فلا يجوز أن يكون كافراً ولا فاسقاً ؛ فإن تولى القضاء وهو عدل ثم فسق ...... بطلت ولايته .(۳)

کافر اور فاسق قاضی نہیں ہوسکتا ، اگر اسے قضاء کا عہدہ سونپا گیا؛ جب کہ وہ عادل تھا پھر فاسق ہوگیا......تو اس کی ولایت باطل ہوگئی۔

فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں :

ولا يولى قاضٍ حتى يكون بالغاً مسلماً حراً عدلاً . (۴)

بالغ مسلمان آزاد اور عادل شخص کو ہی قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے۔

غرض کہ قریب قریب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے، اور قاضی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط اس بات کو شامل ہے کہ غیر مسلم قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں۔

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کے لئے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ــــ اس سلسلہ میں فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم حکومت کے مقرر کئے ہوئے مسلمان

---

(۱) ردالمحتار:۴۴/۸۔ (۲) المدونۃ الکبریٰ :۸۱/۴۔

(۳) البیان:۲۰/۱۳،ط:دارالمنہاج۔ (۴) المغنی:۱۲/۱۴۔

قاضی کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر ہے؛ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں :

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ، (۱) قوله : (ولو کافراً) فی التاتارخانیه : الإسلام لیس بشرط فیه ، أي في السلطان الذي یقلد . (۲)

سلطان عادل ہو یا ظالم؛ اگر چہ کہ کافر ہو پھر بھی اس کی طرف سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے...... تاتارخانیہ میں ہے : کہ جو سلطان قاضی مقرر کر رہا ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

نیز ابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں :

وکل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه إقامة الجمعة والأعیاد ، وأخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الأیامی لاستیلاء المسلم علیهم ، وأما طاعة الکفرة فهي موادعة ومخادعة .(۳)

جن شہروں میں غیر مسلموں کی جانب سے مسلمان والی مقرر ہوں ، ان میں جمعہ وعیدین قائم کرنا، خراج وصول کرنا، قاضی مقرر کرنا، جن کے اولیاء نہ ہوں ان کا نکاح کرنا درست ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں پر ایک مسلمان ہی کو حاکمانہ حیثیت حاصل ہے، رہ گیا کافروں کی اطاعت کرنا تو وہ بہ طور صلح اور حیلہ کے ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی کتابوں میں زیادہ صراحت ملتی ہے؛ لیکن دوسرے فقہاء کے اُصول وقواعد کے لحاظ سے یہی نقطۂ نظر ان کا بھی ہونا چاہئے ، —— غرض کہ غیر مسلم حکومت کا مقرر کیا ہوا مسلمان قاضی یا مجسٹریٹ اگر فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

غیر مسلم بحیثیت حَکَم

۳- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے درمیان حکم ہو سکتے ہیں؟ —— اس سلسلہ میں فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کا اہل ہو، وہی حکم بھی ہو سکتا ہے؛ چنانچہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے :

...... أن یکون أهلاً لولایة القضاء ، وعلی ذلک إتفاق المذاهب الأربعة ، علی خلاف فیما بینهما فی تحدید عناصر تلک الأهلیة . (۴)

(۱) الدر المختار مع الرد:۸/۴۳- (۲) ردالمحتار:۸/۴۳-

(۳) جامع الفصولین:۱/۱۴،ط: کتب خانہ کراچی- (۴) الموسوعة الفقهية:۱۸/۲۳۷-

......حکم بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاضی ہونے کا اہل ہو، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے؛ البتہ خود اہلیت قضاء کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اس کی تحدید میں اختلاف ہے۔

اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان ہی قضاء کا اہل ہوسکتا ہے، غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہوسکتا (۱)؛ چنانچہ فقہاء نے خود تحکیم کے مسئلہ میں بھی اس کی صراحت کی ہے، فقہاء حنفیہ میں علامہ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں :

ولا يجوز تحكيم الكافر ...... لانعدام أهلية القضاء اعتباراً بأهلية الشهادة . (۲)

کافر کو حکم بنانا جائز نہیں......اس لئے کہ وہ قاضی بننے کا اہل نہیں، گواہ بننے کی اہلیت پر قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

......علامہ داماد آفندی نے بھی اس کی صراحت کی ہے :

فلو حكما عبداً أو صبياً أو ذمياً ...... لم يصح . (۳)

اگر دونوں فریق کسی غلام یا نابالغ یا کسی ذمی کو حکم بنادیں......تو درست نہیں۔

علامہ دسوقی مالکیؒ کا بیان ہے :

وجاز ...... تحكيم رجل غير خصم ...... وغير جاهل وكافر ...... فإذا حكما خصماً أو جاهلاً أو كافراً لم ينفذ حكمه . (۴)

ایسے شخص کو حکم بنانا جائز ہے جو فریق نہ ہو، جاہل اور کافر نہ ہو، اگر کسی فریق کو، جاہل یا کافر شخص کو حکم بنادیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

گویا کہ حَکَم کو بھی ان لوگوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے، جنھوں نے اس کو حکم بنایا ہو اور غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی؛ اس لئے فقہاء کا نقطۂ نظر ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کے مسائل میں حکم بھی نہیں بن سکتا۔

طلاق کے لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا

۴- جہاں تک غیر مسلموں کو طلاق کے مسئلہ میں وکیل بنانے کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں صراحت

---

(۱) دیکھئے: الموسوعة الفقهية: ۲۹۱/۳۳-۹۳، اهلية القضاء۔

(۲) هدايه: ۱۵۱/۳، نیز دیکھئے: فتح القدير: ۹۶/۷، باب التحكيم ، ردالمحتار: ۲۴/۸، كتاب القضاء۔

(۳) مجمع الأنهر: ۱۷۳/۱۔ (۴) حاشية الدسوقي: ۱۲/۶-۱۳۔

ملتی ہے کہ وکیل کے لئے صرف عاقل ہونا ضروری ہے، اور علامہ کاسانیؒ نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کو وکیل بنایا گیا اور پھر وہ مرتد ہوگیا تو باوجود ارتداد کے وکالت ختم نہیں ہوگی :

وأما الذی یرجع إلی الوکیل فھو أن یکون عاقلاً فلا تصح وکالة المجنون والصبی الذی لا یعقل ...... وکذا ردة الوکیل لا تمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد . (۱)

وکیل سے متعلق شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ عاقل ہو؛ لہٰذا مجنون اور بے شعور بچے کی وکالت صحیح نہیں ہوگی، اس طرح وکیل کا مرتد ہوجانا وکالت کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے۔

نیز کن چیزوں میں وکیل بنایا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں :

ویجوز التوکیل بالصلح والإبراء ، ویجوز بالطلاق والعتاق والإجارة والإستئجار الخ . (۲)

لہٰذا مرتد کو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور صلح کرنے کا، بری کرنے کا، طلاق دینے کا، آزاد کرنے کا، کرایہ پر دینے کا اور کرایہ پر لینے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت کو طلاق دینے میں وکیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء شوافع کے یہاں اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں؛ لیکن راجح یہی ہے کہ وکیل بنایا جاسکتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں :

...... فإن وکلہ فی طلاق مسلمة ، فوجھان ؛ لأنہٗ لا یملک طلاق مسلمة ؛ لکن یملک طلاقاً فی الجملة . (۳)

...... اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا تو اس سلسلے میں دو قول ہیں، اس لئے کہ اگر چہ وہ مسلمان عورت کو طلاق دینے کا مالک نہیں ہے؛ لیکن فی الجملہ طلاق دینے کا مالک تو ہے۔

اسی طرح علامہ شربینی رقمطراز ہیں :

...... توکیل المسلم کافراً فی طلاق المسلمة ، وقد یتصور وقوع طلاق کافر علی مسلمة بأن تسلم أولاً ویتخلف ثم یطلقھا فی العدة

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱۶/۵۔ (۲) بدائع الصنائع: ۲۰/۵۔

(۳) روضة الطالبین وعمدة المفتین ، کتاب الوکالة: ۳۰۰/۴۔

ثم يسلم قبل انقضائها فإن طلاقه واقع عليها . (۱)

......کسی مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں مسلمان کافر کو وکیل بنا سکتا ہے اور کسی کافر کے مسلمان عورت پر طلاق کا واقع کرنا فی الجملہ متصور ہے، اس طور پر کہ عورت پہلے مسلمان ہو جائے اور شوہر مسلمان ہونے میں دیر کرے، پھر عدت میں اسے طلاق دیدے، پھر عدت کے گذرنے سے پہلے وہ اسلام قبول کرلے تو اب اس کی حالت کفر کی یہ طلاق عورت پر واقع ہو جائے گی۔

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی بھی ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنایا جا سکتا ہے :

صح أن يوكل فيه رجلاً كان أو إمرأة حراً أو عبداً مسلماً أو كافراً . (۲)

یہ درست ہے کہ جن اُمور میں وہ خود تصرف کرسکتا ہے اور اس میں نیابت کی بھی گنجائش ہو، کے سلسلے میں کسی شخص کو وکیل بنائے ،خواہ وہ مرد ہو یا عورت ،آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا کافر۔

البتہ ان کے یہاں ضروری ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا جارہا ہو، وکیل کا بذات خود بھی اس قسم کا تصرف صحیح ہو، نیز شرعاً اس میں نیابت درست ہو :

وكل من صح تصرفه في شيء بنفسه ومما تدخله النيابة صح أن يؤكل فيه رجلاً كان أو امرأة ، حراً كان أو عبداً ، مسلماً كان أو كافراً ...... لا يصح أن يؤكل فيه كالمرأة في عقد النكاح وقبوله والكافر في تزويج مسلمة . (۳)

جس چیز میں کوئی شخص خود تصرف کرسکتا ہو، نیز اس میں نیابت کی گنجائش ہے تو اس میں اس کا کسی مرد یا عورت ،آزاد یا غلام اور مسلمان یا کافر کو وکیل بنانا درست ہے ......چنانچہ نکاح کے کرنے اور اس کے قبول کرنے میں عورت کو اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کرنے میں کافر کو ولی نہیں بنایا جا سکتا۔

اب اگر علامہ شربینیؒ کی اس تشریح کو قبول کرلیا جائے — جو اوپر گذری ہے کہ فی الجملہ مسلمان عورتوں پر

---

(۱) مغنی المحتاج:۲۱۹/۲،کتاب الوکالۃ۔

(۲) الشرح الكبير مع الإنصاف:۴۴۰/۱۳۔

(۳) المغنی:۱۹۷/۷-۱۹۸۔

کافر کی طلاق کا واقع ہونا ممکن ہے —— تو پھر حنابلہ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ البتہ مالکیہ کے نزدیک غیر مسلم کو طلاق کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا ہے :

ومنع توكيل كافر وهو أعم من الذمي .(۱)

کافر کو وکیل بنانے کی ممانعت ہے اور کافر کا لفظ ذمی سے عام ہے، یعنی ذمی اور حربی دونوں کو شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کن معاملات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے اور کن میں نہیں؟

۵- غیر مسلم ممالک کی عدلیہ کے کونسے فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہوں گے اور کونسے نہیں؟ —— اس سلسلہ میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ فیصلے دو قسم کے ہو سکتے ہیں :

(الف) وہ معاملات جن کے لئے سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں اگر شریعت میں معتبر ثبوت کی بنیاد پر عدالت فیصلہ کردے تو وہ قابل نفاذ ہوگا؛ جیسے ورثہ کا حقِ میراث مورث کی موت کی وجہ سے ترکہ میں ثابت ہو چکا ہے، عدالت نے شرعی ہدایت کے مطابق ترکہ تقسیم کر دیا، یا خریدار کی ملکیت مبیع پر عقد بیع کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے، بائع قبضہ نہیں دے رہا تھا، عدالت نے فیصلہ دیا کہ بائع خریدار کو وہ شئ حوالہ کردے تو یہاں ورثہ یا خریدار کے حقوق پہلے سے ثابت تھے، قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے ثابت ہوا ہو، ایسا نہیں ہے، ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

(ب) دوسرے قسم کے معاملات وہ ہیں جن میں محض سبب کا پایا جانا کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، جیسے فسخ نکاح، ایسے مقدمات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ کافی نہیں۔

تطبیقات

ان توضیحات کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے :

۱- اگر کوئی مسلمان مرد عدالت سے رُجوع ہو کہ اس پر طلاق واقع کر دی جائے تو یہ اس کی طرف سے طلاق کے لئے عدالت کو وکیل بنانا ہوگا اور غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲- اگر عورت کی طرف سے طلاق کا مقدمہ دائر ہو، عدالت نے طلاق کا فیصلہ کیا اور شوہر کو طلب کر کے

(۱) الشرح الصغیر:۳/۵۱۱۔

اس کا اس پر دستخط لے لیا گیا تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی ؛ کیوں کہ یہ طلاق نامہ پر دستخط کرانے کے حکم میں ہوگا۔

۳- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ دائر کیا اور شوہر نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ عدالت اس کے دعویٰ کو قبول کر سکتی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے توکیل طلاق ہوگی اور عدالت کا طلاق کے سلسلہ میں فیصلہ کرنا معتبر ہوگا۔

۴- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا اور شوہر نے جواب میں عدالت سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کرنا چاہے، کر سکتی ہے، مجھے قبول ومنظور ہوگا تو یہ بھی **السوال معاد فی الجواب** کے تحت طلاق کی توکیل سمجھی جائے گی اور عدالت کا طلاق دینا معتبر ہوگا۔

۵- اگر بیوی نے طلاق کا مقدمہ دائر کیا، شوہر نے جواب نہیں دیا اور رفع الزام سے اعراض کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کیا گیا، یا شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا، اس کے باوجود عدالت نے طلاق واقع کر دی تو اس صورت میں عدالت کی طرف سے واقع کی جانے والی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوگی ؛ کیوں کہ غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا اور قاضی ہی فسخ نکاح کر سکتا ہے۔

۶- اگر میاں بیوی کے درمیان نزاع پیدا ہوا، دونوں مل کر عدالت گئے اور عدالت سے طالب ہوئے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، عدالت نے ان کے معاملات سن کر اپنے طور پر فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی ؛ کیوں کہ غیر مسلم کو حَکَم بنانا درست نہیں ؛ البتہ عدالت کے فیصلہ کے بعد اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے اسے قبول کیا تو اب طلاق واقع ہو جائے گی ؛ کیوں کہ اگر کوئی فضولی کسی سے کہے کہ میں نے تمہاری طرف سے تمہاری بیوی پر طلاق واقع کر دی ہے اور شوہر نے کہا کہ میں نے اسے جائز قرار دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

چند تجویزیں

ان حالات میں غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے لئے بہ طور لائحہ عمل کے تین باتیں اہم ہیں :

۱- مسلمانوں کو حکومتوں سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لئے الگ مسلمان قاضی یا مسلمان مجسٹریٹ کا تقرر کرے جو آئینی مسائل سے متعلق مقدمات میں فیصلے کیا کرے ؛ تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کر سکیں ؛ کیوں کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کیا ہوا مسلمان والی مسلمانوں کے مذہبی اُمور کو طے کر سکتا ہے :

> **وکل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه إقامة الجمعة والأعیاد ...... وتقلید القضاء وتزویج الأیامی .(۱)**

---

(۱) جامع الفصولین: ۱/۱۴۔

چنانچہ اس وقت ماریشس میں یہی نظام قائم ہے اور ہندوستان میں بھی قدیم زمانہ سے بھوپال میں یہی طریقہ مروج رہا ہے، ہندوستان میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کئی بار اس کی کوشش کی گئی؛ مگر نتیجہ خیز نہ ہوسکی۔

۲- جہاں یہ سہولت میسر نہ ہو وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی امیر کو منتخب کریں، جو اس کے لئے قاضی مقرر کرے اور اگر کسی امیر پر اتفاق نہ ہوسکے تو کم سے کم کسی قاضی پر اتفاق کریں اور وہ ایسے مقدمات کے فیصلے کرے؛ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ (متوفی:۸۶۸ھ) فرماتے ہیں :

> **و إذا لـم يـكـن سلطان و لا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد الـمسـلـميـن غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن ...... يـجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذي يقضي بينهم .(۱)**
>
> جب سلطان موجود نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص جس کی طرف سے قاضی مقرر کیا جانا درست ہو؛ جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان شہروں کا حال ہے جن پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، جیسا کہ اس وقت مغرب کے علاقہ میں قرطبہ ہے......تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اسے والی منتخب کرلیں، وہ قاضی کا تقرر کرے یا وہ خود لوگوں کے درمیان قضاء کا فریضہ انجام دے۔

یہ بات دوسرے فقہاء کے یہاں نسبتاً کم اور احناف کے یہاں زیادہ وضاحت کے ساتھ ملتی ہے؛ چنانچہ علامہ محمود بن اسرائیل نے جامع الفصولین (۱۴/۱، ط: کراچی) علامہ ابن بزاز کردری نے فتاویٰ بزازیہ (علی ہامش الہندیہ، کتاب السیر :۳۱۱/۶) علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق (۲۹۸/۶) علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار (باب الجمعہ :۲۳۹/۱) اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار (کتاب القضاء :۳۰۸/۴) میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، اس سے نہ صرف مسلمانوں کے مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے گی؛ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی میں بھی سہولت ہوگی۔

۳- غیر مسلم ممالک میں مسلمان اپنے نکاح نامے مرتب کریں اور کوئی ملی تنظیم اور جہاں امارت کا نظام قائم ہو وہاں امارت اس کا ریکارڈ رکھے، ان نکاح ناموں میں یا تو تفویض طلاق کی دفعہ رکھی جائے، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تحریر کیا ہے اور ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کے سیمینار

---

(۱) فتح القدير:۳٦۵/٦۔

منعقدہ علی گڑھ نے بھی مسلمانوں کے سماجی مسائل کے حل کے لئے اس کو تجویز کیا ہے اور اہل علم کے لئے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں نکاح سے پہلے بھی تفویض طلاق ممکن ہے اور نکاح کے بعد تو تقریباً تمام ہی فقہاء کے نزدیک تفویض طلاق ہوسکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں ایک دفعہ تحکیم کی رکھی جائے، یعنی عاقدین دارالقضاء یا شرعی پنچایت کو حکم بنائیں کہ ان کے درمیان ازدواجی مسائل سے متعلق جو بھی نزاع پیدا ہوگی، وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا، اسطرح ان کے ازدواجی مسائل کے متعلق مقدمات میں دارالقضاء کو قانونی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔

خاص کر وہ ممالک جہاں رجسٹرڈ نکاح ہی قانون کی نظر میں معتبر ہوتا ہے اور نکاح کے بغیر مرد وعورت پر باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنا ممنوع بھی نہیں ہے، وہاں بہت سے مسلمان کورٹ میں گئے بغیر شرعی طریقہ پر اپنا نکاح کر لیتے ہیں، جو اسلام کی نظر میں تو شوہر و بیوی ہیں؛ لیکن قانون کی نظر میں نہیں، ایسے لوگ تفویض طلاق یا تحکیم کے اس معاہدہ سے خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

هذا ماعندي ، والله أعلم بالصواب ، وعلمهٔ أتم وأحكم .

○ ○ ○

اتفاقی اور منصوبہ بند تورّق

خالد سیف اللہ رحمانی

''وَرِق'' (راء کے زیر کے ساتھ) کے معنی چاندی کے سکہ کے ہیں، عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق اس کے طلب کرنے کو ''تورّق'' کہتے ہیں، (۱) — فقہاء کی اصطلاح میں تورّق یہ ہے کہ انسان کوئی چیز اُدھار خریدے، پھر اسے فروخت کنندہ کے بجائے کسی اور کے ہاتھ نقد قیمت خریداری سے کم میں فروخت کر دے؛ تاکہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے:

أن يشترى المرء سلعة نسيئة ، ثم يبيعها نقداً لغير البائع بأقل مما اشتراها به ، ليحصل بذلک على النقد .(۲)

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ تورق میں خرید وفروخت کے دو معاملے ہوتے ہیں؛ لیکن پہلے خریدار کا اصل مقصد نقد رقم حاصل کرنا ہوتا ہے، اس سے ملتی جلتی ایک اور شکل ہے، جس کا فقہاء نے ''بیع عینہ'' کے نام سے ذکر کیا ہے، بیع عینہ کی شکل یہ تھی کہ ''الف'' کو مثلاً ایک ہزار روپے کی ضرورت ہوتی اور اسے اُمید نہیں ہوتی کہ ''ب'' اسے قرض کے طور پر یہ رقم دیدے گا، اور ''ب'' کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس پر کچھ نفع حاصل کرے تو ''الف'' ''ب'' سے ایک ہزار کی چیز اُدھار بارہ سو کے بدلہ خرید کر لیتا اور پھر ''ب'' سے وہی سامان ایک ہزار روپے نقد میں بیچ دیتا، اس طرح ''الف'' کو ایک ہزار روپے وصول ہو گئے اور ''ب'' کو دو سو روپے نفع مل گیا، امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں؛ جب کہ امام محمدؒ سے اس صورت کے بارے میں منقول ہے:

هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أَكَلَة الرباء .(۳)

---

(۱) دیکھئے: لسان العرب لابن المنظور: ۳۷۵/۱۰، القاموس المحیط ، مصباح المنیر، مادہ ''وَرِق''۔

(۲) الموسوعة الفقهية: ۱۴/۱۴۷۔

(۳) ردالمحتار: ۷/۶۱۳۔

میرے دل میں یہ بیع پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہے، یہ ایسا برا طریقہ ہے جسے سود خواروں نے وضع کیا ہے۔

اورفتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے — اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تورّق اورعینہ میں فرق یہ ہے کہ عینہ صرف دوشخصوں کے درمیان وجود میں آتا ہےاورتورق میں ایک تیسرے شخص کی شمولیت بھی ہوتی ہے۔

حنفیہ کا نقطۂ نظر

تورق کا حکم کیا ہے؟ — اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، حنفیہ کے یہاں بیع عینہ کے سلسلہ میں دوقول ہیں: ایک قول جواز کا ہے اوراس کے قائل امام ابو یوسفؒ ہیں، اورایک قول امام محمدؒ کا ہے اوراس سلسلہ میں امام محمدؒ کا جوقول اوپر مذکور ہوا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم ازکم مکروہ تحریمی ہے، بیع عینہ کی ایک شکل تو یہی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا، جس میں دوافراد کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ ہوتا ہےاور بیع عینہ کی دوسری صورت بعینہٖ وہی ذکر کی گئی ہے، جسے 'تورق' کہا جاتا ہے؛ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

وقال بعضهم : تفسيرها أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض بأثنى عشر درهما ويسلم إليه ، ثم يبيع المستقرض من الثالث الذى أدخلاه بينهما بعشرة ويسلم الثوب إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها إلى طالب القرض ، فيحصل لطالب القرض عشرة دراهم ويحصل لصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما ، كذا فى المحيط .(۱)

بعض حضرات نے کہا کہ عینہ سے مراد یہ ہے کہ دوآدمی اپنے درمیان تیسرے آدمی کو داخل کرلیں، قرض دہندہ اپنا کپڑا قرض لینے والے کے ہاتھ بارہ درہم میں فروخت کرلےاوراسے حوالہ کردے، پھر جس کو قرض مطلوب ہے، وہ اس تیسرے شخص سے — جس کو ان دونوں نے درمیان میں داخل کیا تھا — دس درہم میں فروخت کردے اور کپڑا اس کے حوالہ کردے، نیز اس سے دس درہم لے لے اور یہ تیسرا شخص طالب قرض کو یہ دس درہم دیدے، اس طرح طالب قرض کو دس درہم (نقد) حاصل ہوجائیں اور کپڑے والے کے اس کے ذمہ بارہ درہم ہوجائیں۔

(۱) الفتاویٰ الهندية:۲۰۸/۳،ط : مکتبه ماجد کونته۔

اسی طرح علامہ شامیؒ نے بعض مشائخ سے بیع عینہ کی تعریف اس طرح نقل کی ہے :

قال بعضهم : تفسيرها أن يأتي الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم ولا يرغب المقرض في الإقراض طمعاً في فضل لا يناله بالقرض ، فيقول : لا أقرضك ولكني أبيعك هذا الثوب إن شئت باثني عشر درهما وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة ، فيرضى به المستقرض فيبيعه كذلك ، فيحصل لرب الثوب درهمان وللمشتري قرض عشرة ، وقال بعضهم : هي أن يدخلا بينهما ثالثاً ...... (۱)

بعض حضرات نے کہا: اس کی مراد یہ ہے کہ ایک محتاج شخص دوسرے کے پاس آئے اور اس سے دس درہم قرض طلب کرے، قرض دینے والا، قرض دینے کی طرف راغب نہ ہو، اسے لالچ ہو کہ قرض دے کر وہ کوئی نفع حاصل نہیں کرسکتا؛ لہٰذا وہ کہے کہ میں تمہیں قرض تو نہیں دوں گا؛ لیکن اگر چاہو تو میں تم سے بارہ درہم میں یہ کپڑا فروخت کرسکتا ہوں، جس کی قیمت بازار میں دس درہم ہو؛ تا کہ وہ اسے بازار میں دس درہم میں فروخت کرلے؛ چنانچہ طالب قرض اس پر رضامند ہوجائے اور وہ اس کو اسی طرح فروخت کرلے، اس طرح کپڑے کے مالک کو دو درہم کا نفع مل جائے اور خریدار کو دس درہم کا قرض، اور بعض لوگوں نے کہا: یہ خرید وفروخت کرنے والے اپنے درمیان تیسرے شخص کو داخل کرلیں۔

اس طرح کی اور بھی تصریحات فقہاء احناف کے یہاں ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ احناف بھی کم از کم اس کے مکروہ ہونے کے قائل ضرور ہیں اور یہ کراہت بھی تحریمی ہے نہ کہ تنزیہی، اسی طرح علامہ ابن ہمامؒ نے بیع عینہ کی ایک صورت ''عینہ ثلاثیہ'' کے نام سے نقل کی ہے، وہ پوری طرح تورق کے مطابق ہے۔(۲)

مالکیہ کی رائے

مالکیہ اس کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن رشد نے اپنی معروف کتاب ''البیان والتحصیل'' میں متعدد ایسی جزئیات نقل کی ہیں، جو اس نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہیں(۳)؛ بلکہ امام مالک کی ایک روایت مروجہ تورّق کے

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار: ۵۴۱/۷-۵۴۲۔

(۲) دیکھئے: فتح القدیر: ۲۳۴/۶۔ (۳) دیکھئے: ۸۵/۷-۸۶۔

سلسلہ میں بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں :

وسئل مالک عن رجل ممن یعین ببیع السلعة من الرجل بثمن إلی آجل ، فاذا قبضها منه ابتاعها منه رجل حاضر کان قاعدا معهما فباعها منه ، ثم إن الذی باعها الاول اشتراها منه بعد ، و ذلک فی موضع واحد ، قال : لا خیر فی هذا وراٰه کانه محلّل فیما بینهما .(۱)

امام مالکؒ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیع عینہ کرتا ہو کہ وہ کسی شخص سے اُدھار سامان فروخت کرے ، پھر جب خریدار اس پر قرضہ کرلے تو ایک اور شخص جو وہاں موجود ہے اور ان دونوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے ، اس سے خرید کرلے اور یہ خریدار اس کے ہاتھ بیچ دے ، پھر پہلا فروخت کنندہ اس کے بعد دوسرے خریدار سے اسے خرید کرلے اور یہ سب کچھ ایک ہی جگہ پر ہو؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی خیر نہیں ، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ گویا اس تیسرے شخص کو ان دونوں کے درمیان حلال کرنے کے لئے ہی رکھا گیا ہے۔

مالکیہ کے یہاں ایسے معاملات کے سلسلے میں ایک واضح اُصول ہے ، جس کو علامہ قرافیؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایسے معاملات میں اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ آپ کے قبضہ سے کیا گیا اور کیا چیز واپس آئی ؟ اگر اس کو سامنے رکھ کر سود پیدا ہو جاتا ہو ، تو معاملہ کرنے والوں کے الفاظ وکلمات کا اعتبار نہیں :

والأصل أن ینظر ما خرج من الید وما خرج إلیها ، فإن جاز التعامل به صح وإلا فلا ، ولا تعتبر أقوالهما أي المتبایعین بل أفعالهما فقط ، فهذا هو تلخیص الفرق بین الذرائع التي یجب سدها والذرائع التي لا یجب سدها .(۲)

اصل یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے ہاتھ سے کیا چیز گئی ہے اور کیا چیز اس کو واپس آئی ہے؟ اگر اس لحاظ سے معاملہ جائز قرار پاتا ہو تب تو درست ہے ورنہ نہیں ، خرید وفروخت کرنے والوں کے اقوال کا اعتبار نہیں ؛ بلکہ صرف ان کے افعال کا اعتبار ہے ، ''وہ ذرائع جن کو روکنا واجب ہے اور جن کو روکنا واجب نہیں'' کے درمیان فرق کا خلاصہ یہی ہے۔

---

(۱) البیان والتحصیل:۷/۸۹۔ (۲) الفروق:۳/۲۶۹۔

شوافع کی نظر میں

سدذریعہ کے باب میں بمقابلہ مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے امام شافعیؒ کے نزدیک سہولت ہے، امام شافعیؒ نے خود اپنی مایہ ناز تالیف ''کتاب الام'' میں اُدھار خرید وفروخت کی مختلف صورتوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، انھوں نے تورق کی صورت تو صراحتاً ذکر نہیں کی ہے؛ لیکن عینہ کے جائز ہونے کی صراحت کی ہے، جس میں تیسرے آدمی کی شرکت کے بغیر فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان یہ عمل انجام پاتا ہے، تورق کا معاملہ تو اس کے مقابلہ نسبتاً خفیف ہے؛ کیوں کہ اس میں تیسرے آدمی کی بھی شرکت ہوتی ہے اور حیلہ کا پہلو نسبتاً ہلکا ہو جاتا ہے، تو یہ صورت تو بدرجۂ اولیٰ ان کے نزدیک جائز ہوگی؛ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

فإذا اشترى الرجل من الرجل السلعة فقبضه وكان الثمن إلى أجل ، فلا بأس أن يبتاعها من الذي اشتراها منه ومن غيره بنقد أقل أو أكثر مما اشتراه به ، إلخ . (۱)

جب ایک شخص دوسرے شخص سے سامان خریدے اور اس پر قبضہ کر لے، نیز قیمت اُدھار ہو تو اس میں حرج نہیں کہ جس نے اس سے خریدا ہے اسی کے ہاتھ یا کسی اور شخص سے وہ اس کو نقد فروخت کر دے، خواہ وہ اس کی پہلی قوتِ خرید سے کم ہو یا زیادہ۔

امام شافعیؒ کی بنیادی فکر یہ ہے کہ معاملات میں ظاہر کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ نیت وارادہ کا :

أصل ما أذهب أن كل عقد كان صحيحاً في الظاهر لم أبطله بتهمة ولا بعادة بين المتبايعين ، وأجزته بصحة الظاهر ، وأكره لهما النية ، إذا كانت النية لو أظهرت كانت تفسد البيع . (۲)

میرا اُصولی نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو معاملہ بظاہر صحیح ہو، میں اسے محض تہمت یا خرید وفروخت کرنے والے کے درمیان مروج عادت کی وجہ سے باطل قرار نہیں دے سکتا، میں تو بہ ظاہر درست ہونے کی وجہ سے اسے جائز قرار دوں گا؛ البتہ اس کی نیت کو ناپسند کرتا ہوں، اگر یہ نیت ظاہر کر دی گئی تو پھر یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے بھی بیع عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور لکھا ہے: ''**هذا هو الصحيح المعروف في كتب الأصحاب**'' البتہ ابو اسحاق اسفرائنی اور شیخ ابو محمد سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر بیچنے والے شخص کا یہی معمول ہو تو اس

(۱) کتاب الأم:۶۸/۳-۶۹۔

(۲) کتاب الأم:۶۵/۳۔

میں دوسری بیع پہلی بیع کے لئے مشروط سمجھی جائے گی اور دونوں ہی باطل ہو جائیں گی: **وأفتى أبو إسحاق الإسفراييني والشيخ أبو محمد بأنه إذا صار البيع الثاني مشروطاً في الأول فيبطلان** (۱)— چنانچہ شوافع میں بھی متاخرین نے بیع عینہ کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں علامہ ابن حجر ھیثمی، شروانی، ابن قاسم، علامہ رملی اور شبراملسی کا ذکر ملتا ہے(۲)؛ لیکن جیسا کہ مذکور ہوا متاخرین کا یہ نقطۂ نظر بیع عینہ کے بارے میں ہے نہ کہ تورق کے بارے میں، تورق کا معاملہ چوں کہ عینہ سے کمتر ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہ صورت ان کے نزدیک بھی جائز ہو۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر

تورّق کی اصطلاح اصل میں حنابلہ ہی کے یہاں ملتی ہے، امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دونوں طرح کا قول منقول ہے؛ لیکن قولِ راجح جائز ہونے کا ہے؛ چنانچہ فقہ حنبلی کی معروف کتاب ''کشاف القناع'' میں ہے :

> **ولو احتاج إنسان إلى نقد فاشترى مالا يساوى مائة بمائة وخمسين مثلاً فلا بأس بذلک نص عليه ، وهي أي : هذه المسألة ، تسمّى مسألة التورّق من الورق وهي الفضة .** (۱۸۶/۳)
>
> اگر کسی انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور وہ سو درہم کی چیز مثلاً ڈیڑھ سو درہم میں خرید کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، امام محمدؒ کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے، اس مسئلہ کو تورق کہتے ہیں، جو ورق یعنی چاندی کے لفظ سے ماخوذ ہے۔

علامہ مرداویؒ اس قول کی ترجیح کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**وهو المذهب وعليه الأصحاب** ''(۳)
دوسرے فقہاء نے بھی اس کے جائز ہونے کی صراحت کی ہے۔(۴)
لیکن فقہاء حنابلہ کی دو نمائندہ شخصیتیں علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے پوری قوت اور صراحت کے ساتھ تورق کو ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں :

> **وكان شيخنا رحمه الله يمنع من مسألة التورق وروجع فيها مراراً وأنا حاضر فلم يرخص فيها ، وقال : المعنى الذي لأجله حرم الربا موجود فيها بعينه مع زيادة الكلفة بشراء السلعة وبيعها والخسارة**

---

(۱) روضة الطالبين:۴۱۶/۳-۴۱۷۔
(۲) دیکھئے:تحفة المحتاج:۳۲۲/۴،للهيتمى ونهاية المحتاج:۴۶۰/۳،للرملى۔
(۳) الإنصاف:۲۳۷/۴۔
(۴) دیکھئے:الفروع لابن المفلح:۱۷۱/۴۔

فیھا ، والشریعة لا تحرم الضرر الأدنی وتبیح ما ھوأعلی منه .(۱)

ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہ) تورق سے منع کرتے تھے، میری موجودگی میں کئی باران سے مراجعت کی گئی، مگر انھوں نے اس کی اجازت نہیں دی، انھوں نے کہا کہ سود کو حرام قرار دینے کا جو مقصد ہے وہ بعینہٖ اس میں بھی موجود ہے؛ بلکہ اس سے بڑھ کر؛ کیوں کہ اس میں سامان کو خریدنے اور اس کو بیچنے کی کلفت بھی ہے اور اس میں نقصان اُٹھانا بھی ہے، اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ شریعت کم درجہ کے نقصان کو تو منع کردے اور اس سے اعلیٰ درجہ کے نقصان کو جائز۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول نقل کیا ہے :

التورق أخیة الربا أی أصل الربا۔(۲)

تورق ربا کی جڑ ہے۔

اصحابِ ظواہر امام شافعیؒ کے قول کے مطابق اسے جائز قرار دیتے ہیں اور معاملہ کی ظاہری شکل کو فیصلہ کا مدار بناتے ہیں، علامہ ابن حزم نے اس سلسلہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔(۳)

مذاہب کا خلاصہ

غرض کہ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا رجحان اس کے ناجائز یا قریب بہ حرام ہونے کی طرف ہے، اور یہی رائے بعض متأخرین شوافع کی ہے؛ جب کہ شوافع اور اصحابِ ظواہر اسے جائز قرار دیتے ہیں، ماضی قریب کے اہل علم میں بھی اس سلسلہ میں اختلافِ رائے رہا ہے، شیخ عبدالعزیز بن باز سابق مفتی عام سعودی عرب، شیخ محمد بن ابرہیم سابق مفتی عام سعودی عرب، ''اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء سعودی عرب، **هيئة كبار العلماء** سعودی عرب، (۴) دکتور علی محی الدین علی قرہ داغی، شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع، دکتور محمد علی قری وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں، موجودہ حالات میں مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے، اور شیخ محمد بن عثیمین (سابق مفتی اعظم سعودی عرب) نے اسے حالت اضطرار میں جائز قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصلاً اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

---

(۱) إعلام الموقعین:۱۸۲/۳۔

(۲) مجموع الفتاویٰ:۳۰۲/۲۹۔

(۳) دیکھئے:المحلی:۵۷/۹،مسئلہ نمبر:۱۵۵۸۔

(۴) دیکھئے:مجلة المجمع الفقهی الاسلامی ، بحوث الدورة السابعة عشرة:۱۸/۲۔

جب کہ شیخ عبداللہ بن محمد عبدالوہاب آل شیخ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، شیخ صالح حسین، ڈاکٹر حامد حسان، ڈاکٹر صدیق محمد امین الضریر، ڈاکٹر علی سالوس، ڈاکٹر سالم بن ابراہیم سویلم اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد سلیمی جامعۃ الملک سعود اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اسی پر مصرف قطر الاسلامی، فیصل بینک بحرین اور شرکۃ الراجحی وغیرہ کا عمل ہے۔(۱)

جائز قرار دینے والوں کی دلیلیں

جن حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے، ان کے پیش نظر درج ذیل دلائل ہیں :

۱- اللہ تعالیٰ نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اور تورق کی شکل بنیادی طور پر تجارت کی ہے، جس میں ایک شخص سے ایک چیز خریدی جاتی ہے اور خریدار دوسرے شخص سے اسے فروخت کرتا ہے۔

۲- عن أبی سعید الخدری و أبی هريرة رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلاً على خيبر فجاء بتمر جنيب ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أكلّ تمر خيبر هكذا ؟ قال : لا والله يا رسول الله ! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا تفعل ، بع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيباً .(۲)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا، وہ جنیب نامی کھجور لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم اس کھجور کا ایک صاع دو صاع کے بدلہ اور دو صاع تین صاع کے بدلہ لیتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو؛ بلکہ دو صاع یا تین صاع کھجور کو درہم کے بدلہ فروخت کرو اور درہم سے یہ جنیب نامی کھجور حاصل کرو۔

۳- معاملات میں اصل مباح ہونا ہے، سوائے اس کے کہ حرمت پر کوئی دلیل موجود ہو۔

۴- بعض دفعہ لوگوں کو نقد رقم کی ضرورت پڑتی ہے، اور آج کل لوگ عام طور پر قرض دینے کو تیار نہیں ہوتے، ان حالات میں تورق کے ذریعہ نقد رقم حاصل کی جاسکتی ہے اور سود سے بچا جاسکتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مجلّہ مذکورہ۔

(۲) صحیح البخاری مع الفتح ، ط: السلفیة:۳۹۹/۴، ودیگر کتبِ حدیث۔

مانعین کی دلیلیں

جوحضرات اس کے جائز نہ ہونے کے قائل ہیں، انھوں نے حسبِ ذیل اُمور سے استدلال کیا ہے :

۱- عن أبي إسحاق ، عن امرأته أنها دخلت على عائشة رضي الله عنها نسوة ، فسألتها امرأة فقالت : يا أم المومنين : كانت لی جارية فبعتها من زيد بن أرقم بثمان مائة إلى أجل ، ثم اشتريتها منه بست مائة فنقدته الست مائة ، وكتبت عليه ثمان مائة ، فقالت عائشة : بئس والله ما اشتريت ! وبئس والله ما اشترى ، أخبري زيد بن أرقم أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا أن يتوب . (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ خواتین آئیں، ایک خاتون نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: ام المومنین ! میری ایک باندی تھی، میں نے اس کو زید بن ارقم سے آٹھ سو میں فروخت کردیا، پھر اسی کو ان سے چھ سو میں خرید کرلیا تو میں نے چھ سو ان سے وصول کئے اور ان کے آٹھ سو ہوگئے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم ! کیا ہی بدترین ہے تمہارا خریدنا اور ان کا خریدنا، زید بن ارقم کو بتادو کہ اگر انھوں نے توبہ نہیں کی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انھوں نے جو جہاد کیا ہے، انھوں نے اس کو ضائع کرلیا۔

اس روایت میں بالواسطہ ہی نفع پہنچایا گیا ہے؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے بھی قابل قبول نہیں سمجھا۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے بیع عینہ سے منع فرمایا؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إذا تبايعتم بالعينة ، وأخذتم أذناب البقر ، ورضيتم بالزرع ، وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلاًّ لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم .(۲)

جب تم بیع عینہ کرنے لگوگے، بیل کی دم پکڑنے لگوگے، کھیتی پر راضی ہوجاؤ گے اور جہاد چھوڑ دوگے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت کو مسلط کردے گا، جو اس وقت تک دور نہ ہوگی، جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ آجاؤ۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق:۱۸۴/۸-۱۸۵،حدیث نمبر:۱۴۱۸۲۔

(۲) منتقی الاخبار مع نیل الأوطار:۲۱۹/۵۔

عینہ میں بھی بالواسطہ روپیہ پر نفع حاصل کیا جاتا ہے اور تورق میں بھی بالواسطہ یہی عمل ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ عینہ دو افراد کے درمیان ہوتا ہے اور تورق تین افراد کے درمیان۔

۳- عن شیخ من بنی تمیم قال : خطبنا علی رضی اللہ عنہ قال : نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع الثمرۃ قبل أن تبدو الخ .(۱)

بنی تمیم کے ایک شخص سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مضطر کی بیع غرر یعنی جہالت وابہام والی بیع اور پھل کے قابل استعمال ہونے سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

تورق بھی اصل میں حالتِ اضطرار ہی کی بیع ہوتی ہے کہ وہ نقد رقم لینے کے لئے مجبور ہوتا ہے اور اس بنا پر اسے ایک چیز خرید کر بیچنی پڑتی ہے۔

۴- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

إذا استقمت بنقد ثم بعت بنقد فلا بأس ، و إذا استقمت بنقد فبعت بنسیئۃ فلا خیر فیہ ، تلک ورق بورق .(۲)

جب تم نقد خریدو اور پھر نقد بیچو تو حرج نہیں اور نقد خریدو اور اُدھار بیچو تو اس میں خیر نہیں، یہ درہم کی درہم سے بیع ہے۔

۵- تورق دراصل ربا کے لئے ایک حیلہ ہے اور شریعت کا ایک مستقل اُصول ''سدذریعہ'' ہے کہ نہ صرف گناہ کو منع کیا جائے؛ بلکہ ان راستوں کو بھی بند کر دیا جائے جو گناہ کا سبب بنتے ہیں، لہٰذا سدذریعہ کے طور پر تورق کو ممنوع ہونا چاہئے۔

جواز کے دلائل پر ایک نظر

۱- یہ درست ہے کہ تورق میں دو الگ الگ خرید وفروخت کے معاملات ہوتے ہیں اور خرید وفروخت کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ لیکن دونوں معاملات کا مجموعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اصل مقصود سامان کی خرید وفروخت نہیں ہے؛ بلکہ نفع دے کر قرض حاصل کرنا ہے اور معاملات میں صرف الفاظ کی اہمیت نہیں ہوتی؛ بلکہ مقاصد کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے: **''لا عبرۃ في العقود للألفاظ والمباني ، والعبرۃ للمقاصد والمعاني''** ـــ نیز بعض

---

(۱) سنن أبوداود، باب بیع المضطر ، کتاب البیوع ،حدیث نمبر:۳۳۸۲۔

(۲) بیان الدلیل:۲۳۶/۸،تہذیب السنن لابن قیم:۱۰۹/۵،مصنف عبد الرزاق:۲۳۶/۸۔

دفعہ انفرادی طور پر ایک عقد کا حکم الگ ہوتا ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی اور عقد جمع ہو جائے تو اجتماعی حیثیت میں اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے، جمہور فقہاء نے جو بیع عینہ کو منع کیا ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے، ورنہ فی الجملہ دو الگ الگ عقد وہاں بھی پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابواسحٰق شاطبیؒ کی یہ بات بڑی چشم کشا ہے :

...... الاستقراء من الشرع عرف أن للاجتماع تأثيراً في أحكام لا تكون في حالة الانفراد ...... فقد نهى عليه الصلاة والسلام عن بيع وسلف وكل واحد منهما لو انفرد لجاز ...... ونهى عن جمع المفترق وتفريق المجتمع خشية الصدقة وذلک يقتضي أن للاجتماع تأثيراً ليس للانفراد .(۱)

......احکامِ شریعت کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام میں اجتماع کا وہ اثر ہوتا جو انفراد کا نہیں ہوتا...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بیع اور قرض سے منع فرمایا؛ حالاں کہ ان میں سے ہر ایک کو اگر انفرادی طور پر کیا جائے تو جائز ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے خوف سے الگ الگ مال کو جمع کرنے اور جو مال ایک جگہ ہو اس کو الگ الگ کرنے کی ممانعت فرمائی ، اس کا تقاضہ ہے کہ اجتماعی حیثیت کے ایسے آثار واحکام ہوتے ہیں، جو انفرادی حیثیت کے نہیں ہوتے ۔

۲- جہاں تک معمولی تمر (کھجور) بیچ کر عمدہ تمر (کھجور) خریدنے کی بات ہے، تو اس سلسلہ میں تین باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں :

(الف) اس واقعہ میں حضرت بلال ؓ کا مقصد زیادہ پیسہ دے کر کم پیسہ حاصل کرنا نہیں تھا؛ جیسا کہ تورق میں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مقصد معمولی کھجور کی جگہ بہتر کھجور حاصل کرنا تھا، اس لئے تورق کے معاملہ اور اس واقعہ کی نوعیت میں فرق ہے۔

(ب) کھجور کی خرید وفروخت والے معاملہ میں دونوں معاملات نقد کئے گئے تھے، اُدھار نہیں، اور سود کی بنیاد بنتی ہے اُدھار معاملہ؛ کیوں کہ سود خوار مہلت کے بدلہ پیسہ وصول کرنا چاہتا ہے، اس لئے فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصلاً حرمت ربا نسیئۃ کی ہے، ربا فضل کی حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔

(ج) اتفاقی اور انفرادی طور پر بعض حالات میں حیلہ کی اجازت ہوسکتی ہے؛ لیکن اس کو معاملہ کا ایک مستقل طریقہ بنالینا درست نہیں، یہ حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے۔

---

(۱) الموافقات:۱۷۲/۳-۱۷۳،ط : دارالمعرفۃ ، بیروت۔

۳- یہ درست ہے کہ معاملات میں اصل جائز ہونا ہے؛لیکن یہ ایسے وقت میں ہے؛ جب کہ حرمت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو؛لیکن اگر کسی معاملہ میں حلت اور حرمت کا شبہ پیدا ہوجائے تو پھر حرمت کو ترجیح دی جائے گی ؛ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:''إذا اجتمع الحلال والحرام فقد غلب الحرام''۔

۴- حاجت یقیناً احکام فقہیہ کی ایک اہم اصل ہے ؛ کیوں کہ شریعت کے مقاصد میں سے رفع حرج بھی ہے؛لیکن نص کے مقابلہ میں حاجت معتبر نہیں؛ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے :

المشقة والحرج إنما يعتبر ان في موضع لا نص فيه ، وأما مع النص بخلافه فلا .(۱)

اس لئے بطور مستقل اُصول کے تورق کو جائز قرار دینا درست نہیں ؛ البتہ کوئی شخص بہت ضرورت مند ہوتو فقہاء احناف کی صراحت''يجوز الاستقراض بالربح للمحتاج ''(۲)''حاجت مند کے لئے نفع پر قرض حاصل کرنا جائز ہے'' کے تحت اس کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے،خواہ وہ تورق کے ذریعہ ہو یا کسی سودخوار سے لیا جائے۔

خلاصۂ بحث

یہ حقیر،فقہاء کے نقاطِ نظر اوران کی پیش کی گئی دلیلوں کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایک تو ہے کسی شخص کا انفرادی اور اتفاقی طور پر کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تورق کر لینا،اس کی تو گنجائش ہوسکتی ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی ادارہ اس کو تمویل کا ذریعہ بنائے اور استثمار کے ایک منہج کے طور پر اس کا استعمال کرے یہ جائز نہیں ہوگا ؛ کیوں کہ یہ بہر حال ایک حیلہ ہے،اور حیلہ کو مستقل طریقۂ کار نہیں بنایا جاسکتا، ورنہ یہ شریعت کے احکام سے کھلواڑ کرنا اور بالواسطہ طریقہ پر حرام کو حلال کرنا ہوگا ،اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے حیلوں کو اختیار کرنے والا اس کو جائز وحلال سمجھ کر استعمال کرتا ہے،اس لئے نہ اس میں اپنے عمل پر ندامت ہوتی ہے اور نہ کبھی یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے،اس کے برخلاف اگر آدمی کسی کام کو حرام سمجھ کر بہت ہی مجبوری کے تحت کرتا ہے تو اسے اپنے فعل پر ندامت ہوتی ہے، وہ آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی غلطی پر تائب بھی ہوتا ہے، اس لئے انفرادی تورق تو جائز ہوگا؛لیکن منظّم تورّق بطور طریقۂ استثمار کے جائز نہیں۔

هذا ماعندي ، والله أعلم بالصواب ، وعلمهٗ أتم وأحكم .

○ ○ ○

---

(۱) الأشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر:۱/۲۷۴۔ (۲) الأشباه والنظائر:۱۴۹۔

مکان کے لئے سودی قرض کا حصول

خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن وحدیث میں جن گناہوں کی سخت مذمت کی گئی ہے، غالبًا کفر کے بعد سود، ان میں سرفہرست ہے، سود کے باب میں نہ صرف سود لینے کو منع کیا گیا؛ بلکہ سود دینے والے، سودی کاروبار کو لکھنے والے اور سودی معاملہ پر گواہ بننے والے پر بھی لعنت کی گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں :

عن جابرؓ : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوٰ وموكله وكاتبه وشاهديه ، وقال : هم سواء . (۱)

اسی لئے فقہاء نے قاعدہ مقرر کیا ہے :

ما حرم أخذه ، حرم إعطاء ه . (۲)

جس چیز کا لینا حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے۔

اس لئے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح اُصولی طور پر اس کا دینا بھی حرام ہے؛ لیکن ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ سود کا لینا حرام لعینہٖ ہے اور سود کا دینا حرام لغیرہٖ، اگر کوئی شخص قرض لے اور قرض لیتے وقت قرض دہندہ کی طرف سے زیادہ پیسے ادا کرنے کی شرط نہ ہو؛ لیکن قرض لینے والا اپنے طور پر زیادہ رقم ادا کردے تو اس کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ادائیگی کا بہتر طریقہ قرار دیا ہے :

إن خياركم أحسنكم قضاءً . (۳)

لیکن چوں کہ سود دینے سے بھی سود لینے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر سود دینے والے موجود نہ ہوں، تو کوئی شخص سود دے نہیں سکتا؛ اسی لئے سود دینے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، فقہاء کے نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام لعینہٖ اور حرام لغیرہٖ کے احکام میں کسی قدر فرق ہے، حرام لعینہٖ کی تو اصطلاحی ''ضرورت'' (انتہائی درجہ مجبوری)

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر:۴۰۹۳، کتاب المساقاة ، باب لعن آكل الربا وموكله ، أبوداود ، حدیث نمبر:۳۳۳۳، کتاب البیوع ، باب فی اکل الربا وموکلہ۔ (۲) الاشباہ والنظائر:۱/۴۴۹، قاعدہ:۱۴۔

(۳) بخاری عن أبي هريرةؓ، حدیث نمبر:۲۳۹۳، باب حسن القضاء۔

کی بنیاد پر ہی گنجائش ہوتی ہے، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے :

الضرورات تبيح المحظورات .

ضرورتیں ناجائز کو مباح کر دیتی ہیں۔

اورضرورت سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ جن پر شریعت کے مقاصد خمسہ ـــ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل ـــ کا حاصل ہونا موقوف ہو :

أما الضرورية فمعناها أنها لا بد منها في قيام مصالح الدين والدنيا بحيث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنيا على إستقامة ، بل على فساد وتهارج وفوت حياة . (۱)

ضرورت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو دین و دنیا کے مصالح کو قائم رکھنے میں ناگزیر ہوں کہ اگر وہ مہیا نہ ہوں، تو دنیا کی مصلحتیں پوری نہ ہوسکیں ؛ بلکہ فساد و دشواری اور وسائل زندگی سے محرومی ہو جائے۔

لیکن جو چیزیں حرام لغیرہٖ ہیں، اصطلاحی ''حاجت'' کے تحت بھی ان کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، اور حاجت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو شریعت کے مقاصد خمسہ کو حاصل کرنے میں شدید مشقت سے بچاتی ہوں :

واما الحاجيات ، فمعناها : أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدي في الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقه بفوت المطلوب . (۲)

حاجیات سے مراد وہ چیزیں ہیں، جس کی فراخی کے لئے اور ایسی تنگی کو دور کرنے کے لئے ضرورت ہو، جو اکثر حرج کا باعث بن جاتی ہیں اور ایسی مشقت سے بچانا ہو، جو اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا باعث بنتی ہوں۔

اس کی نظیر کتبِ فقہ میں رشوت کا مسئلہ ہے، جیسے سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، اسی طرح رشوت کا لینا اور دینا بھی حرام ہے، جیسے آپ نے سود کے لینے دینے اور اس میں تعاون کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے، اسی طرح رشوت لینے، دینے اور اس میں واسطہ بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

لعن الله الراشي والمرتشي والرائش . (۳)

---

(۱) الموافقات للشاطبی: ۳۲۴/۲۔

(۲) الموافقات للشاطبی: ۳۲۶/۲۔

(۳) مجمع الزوائد: ۳۵۸/۴، حدیث نمبر: ۷۰۲۴، كتاب الأحكام ، باب في الرشاء ، بحواله : مسند أحمد ، طبراني .

رشوت لینے والے، دینے والے اور اس میں واسطہ بننے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

اسی لئے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جیسے رشوت کا لینا حرام ہے، اسی طرح اس کا دینا بھی حرام ہے؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء نے رشوت لینے اور دینے میں فرق کیا ہے اور بعض خصوصی حالات میں رشوت دینے کی اجازت دی ہے؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

ثم الرشوة أربعة أقسام منها : ما هو حرام على الآخذ والمعطي ، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة ، الثاني : ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلک ولو القضاء بحق ؛ لأنه واجب عليه ، الثالث : أخذ المال ليسوّي أمره عنده السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط ...... الرابع : ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله ، حلال للدافع حرام على الآخذ . (۱)

رشوت کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو لینے والے اور دینے والے دونوں کے حق میں حرام ہے، جیسے عہدۂ قضا اور عہدۂ امارت کے لئے رشوت، دوسرے: قاضی کا فیصلہ کے لئے رشوت لینا، اس کا بھی لینا دینا حرام ہے، اگرچہ حق کے مطابق فیصلہ کرے؛ کیوں کہ یہ تو اس پر واجب ہے ہی، تیسرے: اس غرض سے مال کا لین دین کہ سلطان کے پاس اس کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے، خواہ اس کا مقصد ضرر کو دور کرنا ہو یا نفع کو حاصل کرنا، یہ صرف لینے والے پر حرام ہے...... چوتھے: جان و مال پر خوف کھاتے ہوئے اور اس کی حفاظت کے لئے رشوت، یہ دینے والے کے لئے حلال ہے، لینے والے کے لئے حرام۔

علامہ ابوعبداللہ حطاب مالکی فرماتے ہیں :

قال ابن فرحون : أجاز بعضهم إعطاء الرشوة إذا خاف الظلم على نفسه وكان الظلم محققاً ، قال ابن عرفه إثر نقله كلام بعضهم : ويقوم هذا من قولها ، وإن طلب السلابة طعاماً أو ثوبا أو شيئا خفيفا ، رأيت أن يعطوه ، وقال البرزلى قبل مسائل الطهارة بنحو صفحة : وفى الطرر قال ابن عيشون : أجاز بعضهم إعطاء الرشوة إذا خاف الظلم على نفسه وكان محقا . (۲)

---

(۱) ردالمحتار: ۸/۳۴-۳۵، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ۔ (۲) مواهب الجليل: ۸/۱۱۵، باب الاقضیۃ۔

علامہ ابن فرحون کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رشوت لینے کی اجازت دی ہے، اگر اپنی جان پر ظلم کا اندیشہ ہو اور ظلم فی الواقع کیا جاسکتا ہو، ابن عرفہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ بات اس سے مستنبط ہوتی ہے کہ اگر لٹیرے کھانا یا کپڑا یا کوئی معمولی چیز طلب کریں، تو میری رائے ہے کہ انھیں دے دیا جائے، نیز علامہ برزلی نے مسائل طہارت سے ایک صفحہ پہلے طرر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عیشون نے کہا کہ بعض فقہاء نے رشوت دینے کی اجازت دی ہے اگر اس کی جان پر ظلم کا اندیشہ ہو اور وہ حق پر ہو۔

فقہاء شوافع میں علامہ عمرانی لکھتے ہیں :

واما الراشی : فان کان الراشی یطلب بما یدفعه ان یحکم له لغیر الحق او علی إیقاف الحکم ، حرم علیه ذلک وعلیه تحمل لعنة النبی صلی الله علیه وسلم للراشی ، وان کان یطلب بما یدفعه وصوله إلی حقه لم یحرم علیه ذلک وإن کان ذلک حراما علی اٰخذه . (۱)

بہر حال رشوت دینے والا، تو اگر رشوت دینے والا چاہتا ہو کہ رشوت دے کر اپنے لئے ناحق فیصلہ کرالے، یا حق فیصلہ کو روک دے، تو یہ اس پر حرام ہے، اور رشوت دینے والے کے لئے حضور ﷺ کی لعنت اسی صورت پر محمول ہے اور اگر رشوت دے کر وہ اپنا جائز حق وصول کرنا چاہتا ہے، تو یہ اس پر حرام نہیں؛ اگر چہ لینے والے پر حرام ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں :

یجوز له ان یرشو العامل ویهدی له لیدفع عنه الظلم فی خراجه ، ولا یجوز ذلک لیدع له منا شیئا . (۲)

عامل کو رشوت اور ہدیہ دینا تا کہ خراج کے سلسلہ میں اپنے کو ظلم سے بچا سکے جائز ہے اور اس لئے کہ وہ اس پر واجب ہونے والے خراج میں سے کچھ حصہ چھوڑ دے، جائز نہیں۔

---

(۱) البیان: ۳۱/۱۳۔ (۲) المقنع مع الشرح الکبیر والانصاف: ۳۲۲/۱۰، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر مع المقنع والانصاف ، حوالۂ سابق، نیز دیکھئے: الانصاف مع المقنع والشرح الکبیر ، حوالۂ سابق ۔

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ربا کے باب میں بھی یوں تو لینا اور دینا دونوں ہی حرام ہے؛ لیکن دونوں کی نوعیت میں کسی قدر فرق ہے، گو اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں صراحتاً اس کا ذکر کم ملتا ہے؛ لیکن فقہاء احناف نے ''قنیہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے :

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح .

اور حاجت مند شخص کے لئے نفع دے کر قرض حاصل کرنا جائز ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصری نے اس کو ''حاجت کے ضرورت کے قائم مقام ہونے'' سے متعلق قاعدہ کے تحت ذکر کیا ہے اور ان کے سیاق وسباق سے مراد ہے کہ یہاں ''محتاج'' سے حاجت اصطلاحی مراد ہے، حاجت بمعنی ضرورت نہیں، (۱) خود بعض فقہاء نے بیع بالوفاء اور اس طرح کے جو بعض معاملات کو جائز قرار دیا ہے، اس سے بھی اس کو تقویت پہنچتی ہے کہ جب حیلہ کے ذریعہ تعامل کی بنا پر قرض پر زائد رقم لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے، تو مشقت کے مواقع میں قرض سے زائد رقم ادا کرنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہوگی — البتہ اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ راقم الحروف کے نزدیک قرض پر نفع حاصل کرنے کے لئے کسی بھی قسم کا حیلہ اختیار کرنا جائز نہیں، یہ حرام سے بچنے کا راستہ اختیار کرنا نہیں؛ بلکہ — نعوذ باللہ — حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے اور حضرت عمرؓ کے ارشاد ''**دعوا الربا والريبه**'' کے تحت اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

موجودہ دور میں عالم اسلام کے فقہاء اور اربابِ افتاء نے عام طور پر اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے؛ لیکن غیر مسلم ممالک خاص کر ہندوستان کے علماء نے بعض مواقع پر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے، مسلم اکثریت ممالک میں اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کے بھرپور مواقع ہیں، حکومت کی قرض اسکیموں سے استفادہ بھی آسان ہے اور قانون کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے؛ اس لئے ایسے قانون بنائے جاسکتے ہیں، جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں، غیر مسلم اکثریت ممالک کی صورتِ حال اس سے مختلف ہے، بہت سے ملکوں میں اب تک اسلامی اُصولوں کے مطابق بینک اور انشورنس نظام کی اجازت نہیں دی گئی ہے، مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ وہ اپنے حسب منشا قانون بنواسکیں، بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ اقتصادی ترقی کی سہولتوں میں تعصب بھی برتا جاتا ہے، مسلمانوں کو بہت سی دفعہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے، جو غیر مسلم ہیں اور جو ربا کی حرمت کو تسلیم ہی نہیں کرتے، تعلیم اور ملازمت کے مواقع میں بھی ان کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، یہ وہ صورتِ حال ہے، جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے اختلافِ زمان کی وجہ سے احکام بدلتے ہیں، اختلافِ مکان کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر واقع

---

(۱) دیکھئے: الاشباہ والنظائر: ۲۹۴/۱، مع الحموی، القاعدة الخامسه۔

ہوتا ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان متعدد احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے؛ چنانچہ استاذ گرامی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔(۱)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً : جائیداد فروخت ہو سکتی ہے نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے اور اگر ایسی ضرورت نہیں ؛ بلکہ کسی اور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہو سکتی ہے، تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے۔(۲)

دارالعلوم دیوبند کے ایک اور سابق صدر مفتی حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ مکان کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

اگر حالات تحریر کئے ہوئے صحیح ہیں، تو واقعی یہ حاجت صحیح اور احتیاجِ صحیح ہے اور ایسی حالت میں اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملے، تو شریعت مطہرہ نے بوجہ ضرورت اور حسب ضرورت بینک سے سودی قرض بھی لے لینے کی اجازت دی ہے۔(۳)

بعض اوقات رقم موجود ہوتی ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بڑا سرمایہ لگا کر کاروبار کرتا ہے، تو حکومت کے قوانین کی وجہ سے پکڑ کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کرے؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں :

مثلاً اپنے جائز روپے سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانونِ حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہو کر اپنا جائز روپیہ کالا روپیہ شمار ہو کر قابل ضبطی وغیرہ ہو رہا ہو، تو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپے کو بچانے کے بقدر مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہو جاتی ہے۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱٦/۳۰۱-۳۰۲۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۱٦/۳۰٦، باب الربا۔

(۳) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۷۔

(۴) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۹۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے اس سلسلے میں ہندوستان کے دوسرے اربابِ افتاء کے مقابلہ زیادہ محتاط نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، پھر بھی فرماتے ہیں :

> ......فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی اُمید نہ ہو، بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں۔(۱)

ماضی قریب میں ہندوستان کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ فرماتے ہیں :

> بعض حالت میں جب کہ انسان کی کوئی واقعی ضرورت (جسے شریعت بھی ضرورت تسلیم کرے) بغیر سود پر روپیہ حاصل کئے نہ پوری ہوسکتی ہو، تو ایسی صورت میں اپنے اس فعل کی شناعت اور برائی محسوس کرتے ہوئے اور دل سے توبہ واستغفار کرتے ہوئے سود پر رقم لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(۲)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

> ......البتہ بعض حالات ایسے پیش آتے ہیں، جن میں انسان سودی قرض لینے پر مجبور ہوجاتا ہے اور سودی قرض لئے بغیر بنیادی خورد ونوش اور رہائش کی تکمیل نہیں ہو پاتی اور نہ ہی اسے غیر سودی قرض ملتا ہے، جس سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرسکے، ایسے ضرورت مندوں اور محتاجوں کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔(۳)

ایک اور موقع پر بینک کے توسط سے لاری خریدنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

> اگر آپ بینک کے توسط کے بغیر لاری نہیں خرید سکتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرا کاروبار بھی آپ کا نہیں ہے، تو یہ ایک مجبوری ہے اور مجبوری کی حالت میں محتاج کے لئے فقہاء نے اس طرح کے قرض لینے کی اجازت دی ہے؛ اس لئے بینک کے توسط سے مذکورہ کاروبار کی گنجائش ہوگی۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ:۹/۲۷۰۔

(۲) فتاویٰ قاضی:۲۲٦،کتاب الحظر والاباحة ۔

(۳) فتاویٰ قاضی:۲۳۰۔

(۴) فتاویٰ قاضی:۲۳۱۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں سودی قرض حاصل کرنا ناجائز ہے؛لیکن اگر کوئی ایسا کام درپیش ہو، جو اصطلاحی اعتبار سے حاجت کے دائرہ میں آتا ہو،یعنی اگر مطلوبہ چیز حاصل نہ ہو،تو وہ لوگوں کے لئے شدید مشقت کا باعث ہوجائے اوراس کے حصول کے لئے سودی قرض کے علاوہ کوئی اورراستہ نہ ہو،تو ایسی صورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے؛البتہ ضروری ہے کہ یہ عمل بھی کراہت خاطر سے ہو؛ تاکہ گناہ کی شناعت ذہن میں باقی رہے اوراس کے ساتھ استغفار کا بھی اہتمام کیا جائے —— لہٰذاان وضاحتوں کی روشنی میں آپ کے سوالات کے جواب حسبِ ذیل ہیں :

۱- جن لوگوں کے پاس اتنی رقم موجود ہوکہ وہ بقدرِضرورت وسعت کا مکان خرید کرسکیں یا کچھ ایسی چیزیں موجود ہوں ، جن کوفروخت کرکے اتنی قیمت حاصل کی جاسکتی ہو،ان کے لئے سودی قرض لیناجائزنہیں۔

۲- جن لوگوں کوافراد یااداروں سے غیرسودی قرض مل سکتے ہوں،ان کے لئے بھی اس مقصد کےتحت سودی قرض لیناجائزنہیں۔

۳- اگر اسلامی بینک مکان مرابحۃً اقساط پرفروخت کرتے ہوں یا شرکت متناقصہ کے اُصول پرفروخت کرتے ہوں اور یہ سہولت خریدار کوحاصل ہو،اگرچہ عام بینکوں کے مقابلہ میں گاہک کو زیادہ پیسے دینے پڑیں ، پھربھی سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ؛ کیوں کہ حلال چیز کا زیادہ پیسوں میں حاصل ہونا بھی ارزاں قیمت میں حرام کے حاصل ہونے سے بہرحال بہتر ہے۔

۴- اگر ذاتی مکان میسر نہ ہو، اتنی رقم موجود نہ ہوکہ مکان خرید سکے، نہ کوئی اورایسی شیئ موجود ہو،جس کوبیچ کراتنی رقم حاصل کی جاسکتی ہو،تو اپنی رہائش کے لئے جتنی مکانیت کا مکان ضروری ہو، اتنے کوخرید کرنے کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے؛لیکن ضروری ہے کہ دل سے اسے برا سمجھے، اپنے اس عمل پر استغفار کرے اورجلد سے جلداس قرض کوادا کردینے کی کوشش کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کرایسی سوسائٹیاں قائم کرسکتے ہیں اورایسے اسلامک بینک کوترقی دے سکتے ہیں، جومکان کی خریدی کوآسان اورسستا بنائے ؛ کیوں کہ ہاؤس فائنانسنگ کے بنیادی طور پر دوطریقے ہیں : ایک یہ کہ فائنانس کمپنی ایک مکان خرید کرنفع کے ساتھ خریدیٔ مکان کے خواہش مند شخص کوفروخت کردے، ایسی صورت میں اگراس نے اپنے طور پرگاہک سے قیمت طے کی،تو یہ بیع مساومہ مؤجل ہوگی اوراگرپہلی قیمت ذکر

کر کے اپنا نفع واضح کر دے، تو بیع مرابحہ مؤجل ہوگی اور یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دوسری صورت وہ ہے، جس کو اس دور کے علماء فقہ نے شرکت متناقصہ کا نام دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی گاہک کے اشتراک کے ساتھ مکان خرید کر لے، اپنا حصہ گاہک کو کرایہ پر دے اور اس کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کر کے فی یونٹ قیمت مشخص کر دے اور باہمی معاہدہ کے تحت جیسے جیسے گاہک ان یونٹوں کو خرید کرتا جائے، اس کا شیئر بڑھتا جائے اور کمپنی کا کم ہوتا جائے اور ظاہر ہے کہ کمپنی کا شیئر جتنا کم ہوتا جائے گا، اس کا حق کرایہ بھی اتنا ہی کم ہوتا جائے گا؛ یہاں تک کہ بالآخر گاہک پورے یونٹس خرید کر لے گا اور پورے مکان کا حق کرایہ بھی اتنا ہی کم ہوتا جائے گا، اس پر بعض فقہی اشکالات پائے جاتے ہیں؛ لیکن ہمارے عہد کے اسلامی معاشیات کے ماہرین تقریباً اس کے جواز پر متفق ہو چکے ہیں۔

یہ دونوں قابل عمل صورتیں ہیں، جس کو نہ صرف اسلامی بینک انجام دے سکتا ہے؛ بلکہ چند مسلمان سرمایہ کار مل کر اس مقصد کے لئے کمپنی کی تشکیل کر سکتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں پوری طرح قابل عمل بھی ہیں۔

کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارے اپنے نفع کے تناسب کو کم کرنے پر راضی ہو جائیں، کم نفع لے کر زیادہ تجارت کے اُصول پر عمل کریں، اس طرح مسلمان سودی قرض کی لعنت سے نجات پا سکتے ہیں اور انھیں اس لعنت سے بچانے میں انشاءاللہ ان سرمایہ کاروں کو اجر وثواب بھی حاصل ہوگا۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان ۔

○ ○ ○

انشورنس اور مغربی ممالک

خالد سیف اللہ رحمانی

اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ صنعتی عہد میں خطرات کی کثرت کی وجہ سے انشورنس ایک ضرورت بن گئی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان خطرات میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لئے اسلامی تعلیمات کے دائرہ میں رہتے ہوئے ایسا نظامِ تکافل قائم کیا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد تبرع اور تعاون پر ہو، جس کا مقصد مالی منافع کا حاصل کرنا نہ ہو اور ایک حد تک دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کا عملی تجربہ بھی کیا جارہا ہے؛ لیکن بدقسمتی سے جن لوگوں کے ہاتھوں انشورنس کے نظام کی تشکیل ہوئی ہے، وہ مذہبی مسلمات اور اخلاقی اقدار پر یقین نہیں رکھتے ہیں اور ان کا اصل مذہب مادیت پرستی ہے؛ اس لئے انشورنس کا مروجہ نظام جمہور فقہاء عالم اسلام و ہند کے نزدیک ربا اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، گو بعض اہل علم کا رجحان اس کے جواز کی طرف ہے اور اس نقطۂ نظر کے حاملین میں عالم اسلام کے ممتاز فقیہ شیخ مصطفیٰ زرقاءؒ اور ہندوستان کے اہل علم میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے؛ لیکن اُمت کے سوادِ اعظم کے نزدیک یہ بات قابل قبول نہیں ہے؛ البتہ اگر ملکی قانون کے تحت انسان کسی کام پر مجبور ہو، تو ظاہر ہے کہ وہ فعل اس کے لئے دائرۂ جواز میں آجاتا ہے؛ کیوں کہ حالت اختیار کے احکام اور اختیار سے محروم ہونے کی حالت کے احکام یکساں نہیں ہوتے اور شریعت میں اس کی رعایت ملحوظ رکھی گئی — اس لئے :

> (الف) اگر گاڑیوں اور گھروں کے لئے حکومت کی جانب سے انشورنس کو لازم قرار دیا گیا ہو، تو انشورنس کرانے کی گنجائش ہوگی اور اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو پالیسی لینے کے بعد سے اب تک جتنی رقم اس نے جمع کی ہے، وہ تو اس کے لئے جائز ہوگی اور بقیہ رقم کو بلا نیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہوگا، نیز اس کے لئے یہ بھی گنجائش ہے کہ اس رقم کو محفوظ کرکے انشورنس کی آئندہ قسطیں اس رقم میں سے ادا کرتا جائے — جو رقم اس نے جمع کی تھی، اتنی رقم اس کے لئے اس لئے جائز ہوگی کہ وہ خود اس کی جمع کی ہوئی حلال رقم ہے، زائد رقم کو صدقہ کردینا اس لئے واجب ہے کہ مالِ حرام

اگر مالک کو لوٹایا نہ جاسکتا ہو، تو اس کا حکم یہی ہے کہ اسے صدقہ کردیا جائے، اجر وثواب کی نیت اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا صدقة من غلول**"۔(۱)

—— اور بچی ہوئی رقم محفوظ کر کے اس سے قسطیں ادا کرنا اس لئے درست ہے کہ یہ مالِ حرام کو صاحب مال کی طرف واپس لوٹانا ہے اور مالِ حرام کا فقہاء نے یہی حکم لکھا ہے۔

(ب) جن ملکوں میں میڈیکل انشورنس کو تمام لوگوں یا کسی خاص پیشہ سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے لازم قرار دیا گیا ہو، ظاہر ہے کہ ان کے لئے انشورنس کرانا قانونی مجبوری کے تحت جائز ہوگا، اب اگر وہ صاحب استطاعت ہوں اور خود اپنا علاج کرا سکتے ہوں، ان کے لئے تو انشورنس کلیم کی صورت میں اتنی ہی رقم جائز ہوگی، جو انھوں نے خود جمع کی تھی، باقی رقم سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہوگا اور ضروری ہوگا کہ اسے بلا نیت ثواب صدقہ کردیں اور اگر وہ خود اپنا علاج کرانے سے قاصر ہوں، نہ نقد رقم ہو نہ کوئی ایسا سامان ہو، جسے بیچ کر علاج کرا سکے، کوئی اور شخص بھی علاج کی ذمہ داری قبول کرنے اور اس میں تعاون کرنے کو تیار نہ ہو تو ایسی انتہائی مجبوری کی صورت میں اس زائد رقم سے بھی علاج کے لئے استفادہ کرنا جائز ہوگا۔

(ج) سنا گیا ہے کہ بہت سے مغربی ملکوں میں علاج اس قدر گراں ہے کہ متوسط آمدنی کے حامل کے لوگوں کی گنجائش سے بھی باہر ہے اور ظاہر ہے کہ علاج ایک ضرورت ہے؛ اس لئے ایسے ملکوں میں ان لوگوں کے لئے میڈیکل انشورنس کرانا اور علاج کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، جن کی آمدنی قلیل ہو، خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ کسی کثیر اخراجات طلب بیماری میں مبتلا بھی ہوں، جیسا کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "**الضرورات تبيح المحظورات**" —— البتہ اس سلسلے میں ہر آدمی کے لئے اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ جو شخص مبتلی بہ ہے، اسے چاہئے کہ کسی معتبر و مستند مفتی کے سامنے اپنے احوال رکھ کر اس کے فتویٰ پر عمل کرے۔

---

(۱) ترمذی، أبواب الطهارة، باب ماجاء لا تقبل صلاة بغير طهور، حدیث نمبر:۱۔

(د) اگر گاڑی کا انشورنس کرایا جائے اور یہ انشورنس اس شخص سے متعلق ہو، جسے ایکسیڈنیٹ سے نقصان پہنچے، تو چوں کہ ایکسیڈینٹ میں بڑی رقمیں ادا کرنی پڑتی ہیں، جو بعض اوقات متوسط آمدنی کے لوگوں کے لئے دشوار ہوتی ہیں؛ اس لئے اگر کوئی شخص ایسے واقعے سے دوچار ہو اور قانون کے تحت جو جرمانہ اس پر عائد ہوتا ہو، وہ اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں رکھتا ہو، تو اس کے لئے انشورنس کی اس رقم سے استفادہ کرنا اور کمپنی سے متاثرہ شخص کو ہرجانہ دلانے کی گنجائش ہے؛ البتہ جو لوگ صاحب استطاعت ہوں اور وہ جرمانہ ادا کرسکتے ہوں، ان کے لئے کمپنی کی رقم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(ہ) اس کے علاوہ انشورنس کی جو صورتیں ہیں، جیسے آگ کے حادثہ وغیرہ کے لئے احتیاطی انشورنس، قرض، بیمہ، جائداد واشیاء کا بیمہ، یہ تمام صورتیں جائز نہیں ہیں۔

اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے علماء — جیسا کہ مذکور ہوا، — انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں؛ لیکن ملکی حالات کے پس منظر میں عام طور پر علماء نے فرقہ وارانہ فسادات کے نقصان کی تلافی کے لئے جان و مال کے انشورنس کی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ ایسے مواقع پر مسلمانوں کو جانتے بوجھتے نقصان پہنچایا جاتا ہے اور حکومت — جس کے فرائض میں عوام کے جان و مال کی حفاظت بھی ہے — اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرتی ہے؛ بلکہ بعض اوقات مفسدین کے لئے تقویت کا باعث بنتی ہے؛ چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیت علماء ہند اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس سلسلے میں تجویزیں منظور کی ہیں اور اکابر ارباب افتاء مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۰/۱٦) مفتی نظام الدین اعظمی (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۵۱/۲) اور مفتی عبد الرحیم لاجپوری (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۷۱/۹) وغیرہ کے فتاویٰ اس سلسلے میں موجود ہیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ حضرات انشورنس کو اُصولی طور پر ناجائز سمجھنے کے باوجود ضرورت کے مواقع پر اس کی گنجائش کے قائل ہیں۔

انشورنس کے جواز کے سلسلے میں اہل علم کا نقطۂ نظر اور تعاونی انشورنس یا تکافل کے مسائل پر میں نے اس لئے گفتگو نہیں کی کہ اس پر عربی، اُردو اور دوسری زبانوں میں تفصیلی کتابیں آچکی ہیں اور اہل علم اس سے واقف ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے طور پر نظامِ تکافل قائم کریں، جو اسلامی اُصولوں کے دائرہ میں ہو، جس کی بنیاد تبرع اور وقف پر ہو اور یہ موجودہ زمانے کی مشکلات کو حل کرسکتا ہو؛ کیوں کہ جب تک حرام کا حلال متبادل موجود نہ ہو، لوگوں کو حرام سے بچایا نہیں جاسکتا۔ وباللہ التوفیق .

○ ○ ○

مسلمان اور الیکشن

خالد سیف اللہ رحمانی

موجودہ دور میں جمہوری نظام پوری دنیا میں ایک آئیڈیل نظام کی حیثیت سے مروج ہو چکا ہے، جمہوریت عوام کے ذریعہ عوام کی عوام پر حکومت سے عبارت ہے، اس نظام میں بعض خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی اور اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو اس میں بعض باتیں اسلام سے ہم آہنگ ہیں اور بعض باتیں اسلام کے مزاج سے مختلف بھی ہیں، خوبی یہ ہے کہ ایک شخص پوری قوم کو غلام نہیں بنا سکتا اور لوگوں کی رضامندی کے بغیر ان پر اپنے اقتدار کو نہیں تھوپ سکتا، خامی یہ ہے کہ جمہوریت میں مقدار کو معیار پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور صلاحیت کے بجائے تعداد پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔

اسلام سے اس نظام کی ہم آہنگی یہ ہے کہ اسلام میں حکومت کا جو آئیڈیل تصور ہے، وہ خلافت ہے، خلیفہ لوگوں کے انتخاب سے حکومت پر فائز ہوتا ہے اور لوگوں کے مشورہ سے حکومت چلاتا ہے، جمہوریت میں بھی حکمراں کو عوام منتخب کرتی ہے اور وہ عوامی نمائندوں کے مشورہ سے ہی حکومت کی ذمہ داریاں انجام دیتا ہے؛ لیکن مختلف اُمور میں مروجہ جمہوری نظام اسلامی تعلیمات سے مختلف ہے:

(الف) موجودہ مغربی جمہوریت میں قانون کا سرچشمہ انسان ہے اور ملک کی پارلیمنٹ حلال وحرام کے فیصلے کر سکتی ہے، جب کہ اسلام میں قانون کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حلال وحرام کی کلید اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے "**إن الحكم إلا لله**"۔ (یوسف:۴۰)

(ب) اس انتخابی نظام میں اپنے آپ کو اُمیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا اور عوام سے اپنے حق میں ووٹ مانگنا پڑتا ہے؛ حالاں کہ اسلام میں کسی عہدہ کے طلب کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے؛ چنانچہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے:

> **قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا عبد الرحمن ! لا تسأل الإمارة ، فإنك إن أعطيتها عن مسئلة ، وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسئلة أعنت عليها .** (۱)

---

(۱) أحكام القرآن للقرطبي:۹/۲۱۶۔

(ج) پارلیمنٹ بعض ایسے قوانین بناتی ہے یا سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں بعض ایسی باتوں کو شامل رکھتی ہیں، جو مکمل طور پر اسلامی تعلیمات کے مغائر ہیں، مثلاً ہم جنسی کے نکاح کی اجازت وغیرہ، جب کوئی مسلمان پارلیمنٹ یا سیاسی جماعت کا حصہ ہوتا ہے، یا اس کو منتخب کرنے میں اپنے ووٹ کے ذریعے مدد پہنچاتا ہے، تو گویا وہ بھی اس میں شریک ہوتا ہے۔

(د) اگر کوئی مسلمان الیکشن میں منتخب ہو جائے، تو اسے ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے؛ حالاں کہ اس میں بہت سی باتیں اسلامی تعلیمات کے مغائر ہوتی ہیں، ایک طرف دینی نقطۂ نظر سے یہ دشواریاں ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے الیکشن میں حصہ لینے فائدہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں پر اور حکومتوں پر دباؤ قائم رکھا جاسکتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اگر کوئی فیصلہ ہو، تو اسے روکنے کی کوشش کی جاسکتی ہے اور جمہوری نظام میں ایسے گروہ کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے، جو ووٹ کی قوت رکھتا ہو، چنانچہ جن جمہوری ممالک میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، وہاں بہت سے مسائل میں حکومت کو مسلمانوں کے موقف کو قبول کرنا ہوتا ہے؛ بلکہ بعض ممالک میں تو مسلمانوں کو شخصی زندگی سے متعلق قوانین کو جتنا تحفظ حاصل ہے، بہت سے مسلم ممالک میں بھی اس درجہ کا تحفظ حاصل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو سیاسی انتخابات سے الگ تھلک کرلیں، تو وہ بہ حیثیت ایک قوم اپنی مصالح کا تحفظ نہیں کرسکیں گے۔

ایسے مواقع پر شریعت کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ زیادہ درجہ کے مفسدہ سے بچنے کے لئے کم تر درجہ کے مفسدہ کو قبول کرلیا جائے، فقہاء نے اسے مختلف الفاظ میں تعبیر کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں :

إذا تعارضت مفسدتان ، روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما .

جب دو مفاسد کا تعارض ہو، تو چھوٹے ضرر کا ارتکاب کرتے ہوئے بڑے ضرر سے بچنے کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف .

کم تر نقصان کے ذریعے بڑے درجہ کے نقصان کو دور کیا جائے گا۔

يختار أهون الشرين .

دو شر میں سے کم تر کو گوارا کیا جائے گا۔

يحتمل الضرر الخاص لمنع الضرر العام .

اجتماعی نقصان کو دور کرنے کے لئے انفرادی نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اس قاعدہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

إذا تعارضت المصالح والمفاسد والحسنات والسيئات أو تزاحمت ،

فإنه يجب ترجيح الراجح منها فيما إذا ازدحمت المصالح والمفاسد وتعارضت المصالح والمفاسد ، فإن الأمر والنهى وإن كان متضمنا لتحصيل مصلحة ودفع مفسدة ، فينظر فى العارض له ، فإن كان الذى يفوت من المصالح أو يحصل من المفاسد أكثر ، لم يكن مأموراً به ، بل يكون محرما إذاكانت مفسدته أكثر من مصلحته . (١)

جب مصالح و مفاسد، خوبیوں اور خامیوں میں تعارض اور ٹکراؤ ہوجائے، تو ضروری ہے کہ ترجیح سے کام لیا جائے؛ اس لئے کہ امر اور نہی اگرچہ کہ کسی مصلحت کے حاصل کرنے اور کسی مفسدہ کو دور کرنے کو ہی شامل ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ جو عارض سامنے آرہا ہے، اس پر غور کیا جائے، چنانچہ اگر فوت ہونے والی مصلحتیں اور پیدا ہونے والے مفاسد زیادہ ہوں، تو وہ مامور بہ نہیں ہوں گے؛ بلکہ حرام ہوں گے، بشرطیکہ اس کا مفسدہ مصلحت سے زیادہ ہو۔

اسی قاعدہ سے استشہاد کرتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ایک واقعہ کو پیش کرتے ہوئے علامہ صلاح الدین علائی نے لکھا ہے کہ اس قاعدہ کی اصل صلح حدیبیہ ہے، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی؛ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اشکال بھی ہوا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا؛ کیوں کہ مکہ میں ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد تھی، جو اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، اگر جنگ ہوتی، تو یہ لوگ بھی مارے جاتے، جو یقیناً بڑے مضرت کی بات ہوتی (٢) —— دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حالت اختیار اور حالت مجبوری کے احکام یکساں نہیں ہوتے ہیں؛ جیسا کہ فقہاء کا مشہور قاعدہ ہے ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' امام شافعیؒ نے اسی قاعدہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

يجوز فى الضرورة مالا يجوز فى غيرها . (٣)

ظاہر ہے مسلمان اپنے ملک میں بڑی حد تک حالت اختیار میں ہوتے ہیں اور جہاں اقلیت میں ہوں، وہاں اس درجہ اختیار کے حامل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے اگر ایسے علاقہ میں وہ بعض احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے معذور ہوں، تو وہ اس کے بارے میں جواب دِہ نہیں ہیں۔

(١) مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام: ١٢٩/٢٨۔

(٢) دیکھئے: المجموع المهذب فى قواعد المذهب: ٣٨، الوجه الاول ۔

(٣) الأم: ١٦٨/٤، تفريع فرض الجهاد ۔

پس ان دونوں اُصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جمہوری ممالک میں انتخاب میں حصہ لینا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ ممکن ہے کہ بعض حالات میں یہ ان پر واجب قرار پائے، اس سلسلے میں ایک نظیر اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کے حیاتِ طیبہ میں بھی ملتی ہے۔

حضرت یوسف نے عزیز مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ مصر کی وزارتِ خزانہ ان کے حوالے کر دی جائے ''**قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْأَرْضِ**'' (یوسف: ۵۵) بعض علماء ہند کی رائے ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ حکومت کے ایک شعبہ کی ذمہ داری کا نہیں تھا؛ بلکہ پوری حکومت کا تھا؛ لیکن یہ بات صحیح نظر نہیں آتی، قرآن کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصر کی وزارتِ مالیات کا مطالبہ تھا، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں :

قال یوسف للملک : اجعلنی علی خزائن أرضه . (۱)

حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اپنے ملک کے خزانہ کا ذمہ دار بنا دو۔

علامہ فخر الدین رازیؒ کا بیان ہے :

اجعلنی علی خزائن الأرض ای علی خزائن أرض مصر . (۲)

یعنی سرزمین مصر کی مالیات پر مجھے ذمہ دار مقرر کر دو۔

نیز ابن کثیر لکھتے ہیں :

إنما سأله أن یجعله علی خزائن الأرض . (۳)

حضرت یوسف نے ان سے مطالبہ کیا کہ ان کو ملک کے خزانہ پر ذمہ دار مقرر کر دیا جائے۔

مفسر ابوسعود عمادی نے مزید وضاحت سے لکھا ہے :

أي : ولني أمرها من الإیراد والصرف . (۴)

یعنی مجھے مالیات کی آمد و صرف پر ذمہ دار بنا دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کسی غیر مسلم حکومت میں نظم و نسق کا حصہ بن سکتے ہیں، گو اس کے تمام قوانین شریعت کے مطابق نہ ہوں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کو بن یامین کو روکنے کے لئے پیالہ اس کے سامان

---

(۱) تفسیر طبری: ۳۷۷/۴۔

(۲) مفاتی الغیب: ۸۵/۹۔

(۳) تفسیر القرآن العظیم: ۴۷۳/۳۔

(۴) تفسیر ابی السعود: ۲۸۶/۳۔

میں ڈالنا پڑا؛ کیوں کہ حکومتِ مصر کا یہی قانون تھا اور بظاہر یہ اس وقت کی شریعتِ الٰہی کا قانون نہیں تھا؛ چنانچہ اسی پس منظر میں علامہ قرطبی نے بعض اہل علم کا موقف اس طرح نقل کیا ہے :

قال بعض أهل العلم : فی هذه الآیة ما یبیح للرجل الفاضل أن یعمل للرجل الفاجر والسلطان الکافر بشرط أن یعلم أنه یفوض إلیه فی فعل لا یعارضه فیه ، فیصلح منه ما شاء وأما إذا کان عمله بحسب اختیار الفاجر وشهواته وفجوره ، فلا یجوز ذلک . (۱)

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بہتر آدمی برے آدمی اور کافر حکمراں کے لئے کام کرسکتا ہے، بشرطیکہ اسے معلوم ہوا کہ جو کام اسے سپرد کیا جارہا ہے،اس میں وہ کافر حکمراں اس کے معارض نہیں ہوگا کہ وہ اس طرح کا جو کام چاہے کرسکتا ہے اور اگر اس کا عمل فاجر و فاسق شخص کے اختیار ، اس کی خواہشات اور برائیوں کے مطابق انجام دینا پڑے،تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔

خلاصۂ بحث

۱- جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا انتخابی عمل میں شریک ہونا خواہ خود اُمیدوار بن کر ہو یا کسی اُمیدوار کے حق میں ووٹ دے کر جائز ہے۔

۲- چوں کہ انتخاب میں مؤثر ہونے کے لئے بعض اوقات کسی سیاسی جماعت میں شرکت کی ضرورت پڑتی ہے؛اس لئے ''إذا ثبت الشیٔ ثبت بلوازمه'' کے تحت یہ عمل بھی جائز ہوگا۔

۳- کسی اُمیدوار یا سیاسی جماعت کی تائید کے سلسلے میں اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے گا ،اگر کسی سیاسی جماعت کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی بات نہ ہو اور دوسری جماعت کے منشور میں ایسی بات ہو ، تو پہلی جماعت قابل ترجیح ہوگی ، اگر دونوں جماعتوں کے منشور میں خلافِ اسلام باتیں موجود ہوں ،تو نسبتاً کم ضرر رساں جماعت یا اُمیدوار کو ووٹ دیا جائے گا اور اگر ایک سے زیادہ سیاسی جماعتیں اپنے عزائم اور گذشتہ ریکارڈ کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل ہوں ،تو اُمیدوار کے بہتر اور غیر بہتر یا کم اور زیادہ بہتر ہونے کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱) أحکام القرآن للقرطبی:۲۱۵/۹۔

۴- اگر مسلمان نمائندے سیاسی پارٹی یا مجلس قانون ساز میں فیصلہ پر اثر انداز ہونے کے موقف میں نہ ہوں، تب بھی مسلمان نمائندوں پر یہ بات واجب ہوگی کہ وہ ایسے فیصلوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی مخالفت کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ، فإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه .

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اسے بزور طاقت روکے، اگر اتنی طاقت نہ ہو، تو زبان سے روکے اور اتنی بھی نہ ہو تو دل سے (یعنی دل سے برا سمجھے اور بوقت قدرت اس کے روکنے کا عزم رکھے)۔

○ ○ ○

دو ہفتے کناڈا میں!

خالد سیف اللہ رحمانی

اگر آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو مغرب کے آخری کنارہ پر براعظم امریکہ نظر آئے گا، اس براعظم کے شمالی حصہ میں دو ممالک رقبہ کے اعتبار سے نہایت وسیع وعریض واقع ہوئے ہیں، ایک امریکہ جو اس وقت دنیا کی واحد سپر طاقت ہے، دوسرے کناڈا جو اس کا پڑوسی ہے اور جس کی طویل سرحد امریکہ سے ملتی ہے، یہ ملک رقبہ کے اعتبار سے امریکہ سے بھی بڑھا ہوا ہے؛ لیکن آبادی امریکہ کے مقابلہ بہت کم ہے، یعنی تین کروڑ سے کچھ اوپر، اس ملک کی وسعت کا حال یہ ہے کہ خود اندرونِ ملک ایک طرف سے دوسری طرف سات گھنٹوں کا ہوائی سفر ہوتا ہے، یہ بحر اوقیانوس سے بحر منجمد شمالی تک پھیلا ہوا ہے، اس ملک کے قدیم باشندے ریڈ انڈین کہلاتے ہیں، اب بھی ان کی بچی کھچی آبادی موجود ہے، جو کناڈا اور امریکہ کی سرحدوں کی طرف رہتی ہے اور غالباً ان کی آبادیوں کے مستقل صوبے ہیں۔

۱۴۹۷ء میں پہلی بار یہاں سفید فام لوگوں کی آمد ہوئی اور پھر بتدریج وہ وہاں کے مقامی باشندوں کو کنارے کرتے ہوئے اس ملک کے علاقوں پر قبضہ کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے مزاج کے مطابق مقامی آبادی کو غلام بنالیا، یہ ملک فرانس کی بھی کالونی رہا ہے اور برطانیہ کی بھی؛ اسی لئے یہاں انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے، ۱۸۶۷ء سے اس نے برطانوی عملداری سے مرحلہ وار آزادی حاصل کرنی شروع کی اور ۱۹۸۲ء میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچا؛ لیکن اب بھی کناڈا کی کرنسی پر ملکۂ برطانیہ کی فوٹو ہوتی ہے اور وہ برطانیہ کا سالانہ خراج ادا کرتا ہے، نیز یہ دس صوبہ جات پر مشتمل پارلیمانی جمہوری نظام کے مطابق کام کرتا ہے۔

اس وقت یہ ملک کثیر نسلی جمہوریت ہے، جس میں ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے تارکین نصف کے قریب پہنچ گئے ہیں، ٹورنٹو شہر میں ایشیائی اور افریقی لوگوں کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے کہ بازاروں سے گذرتے ہوئے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سفید فام لوگوں کا ملک ہے، عیسائیوں کے بعد سب سے بڑی آبادی یہاں مسلمانوں کی ہے، غالباً ان کی تعداد پچاس لاکھ کے قریب ہے، راقم الحروف کو ایشیاء، یورپ، افریقہ کے مختلف ملکوں کو سفر کرنے کا موقع ملتا رہا ہے؛

لیکن امریکہ کی جانب کبھی سفر کی نوبت نہیں آئی ، جو اس وقت نہ صرف اپنی فوجی طاقت کے لحاظ سے پوری دنیا کی قیادت کر رہا ہے ؛ بلکہ فکری اور تہذیبی اعتبار سے جو آواز یہاں سے بلند ہوتی ہے، اس کی گونج پوری دنیا میں سنی جاتی ہے، اس لئے امریکہ یا کناڈا کے سفر کی ایک آرزو سی تھی ، چند سال پہلے امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کی جانب سے اس حقیر کو مدعو کیا گیا تھا؛ لیکن ٹھیک ان ہی دنوں بھوپال میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس تھا؛ اس لئے سفر سے معذرت کرنی پڑی۔

پھر ایک موقع یوں آیا کہ یکم تا ۳ رمئی ۲۰۰۹ء کناڈا کی راجدھانی ٹورنٹو میں ایک فقہ اسلامی کانفرنس رکھی گئی ، جس میں مغربی ممالک کے مسلمانوں سے متعلق چند اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے کچھ اہل علم کو مدعو کیا گیا ، ان مدعوئین میں شام سے ڈاکٹر وہبہ زحیلی ، پاکستان سے مفتی محمد رفیع عثمانی اور ہندوستان سے یہ حقیر شامل تھے ، یہ پروگرام کناڈا کے نہایت فعال اسلامی سنٹر ''اسلامک فاؤنڈیشن ٹورنٹو'' کی طرف سے منعقد ہوا تھا اور فاؤنڈیشن کے ایک اہم اور فعال ذمہ دار جناب شاہ محمد قادری نے اس حقیر سے رابطہ کیا تھا ، شاہ صاحب حیدرآباد کے مشہور عالم محدثِ دکن عبداللہ شاہ صاحبؒ کے نواسہ ہیں ، اپنے اخلاق ، دینی جذبہ اور خدمتِ خلق کے کاموں کی وجہ سے ٹورنٹو کی ایک مقبولِ عام و خاص شخصیت ہیں ، اور اہم بات یہ ہے کہ ان کا تعلق ہر مکتبۂ فکر کے مسلمانوں سے ہے ، سبھی لوگ انھیں عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں ، شاہ صاحب نے بہ اصرار اس پروگرام کی دعوت دی تھی ؛ لیکن اس وقت بھی بعض مجبوریوں کی وجہ سے معذرت ہی کرنی پڑی ، اس کے بعد سے مسلسل کناڈا کے احباب کا تقاضا تھا کہ وہاں کا سفر ہونا چاہئے ، شاہ صاحب کے علاوہ مولانا محمد قاسم انگار اور جناب مجاہد انصاری اس کی تحریک میں پیش پیش تھے ، آخر جون کے دو ہفتے اس مقصد کے لئے فارغ کئے گئے ، اللہ کا شکر ہے کہ ویزا آسانی سے لگ گیا اور اس طرح ۱۲ر جون کی شب میں حیدرآباد سے روانہ ہوا ، میرے سفر کی پہلی منزل دوبئی تھی ؛ چنانچہ ۱۳ر جون کو صبح دبئی ایرپورٹ پر پہنچا ، دبئی ایرپورٹ اپنی سہولت ، خوبصورتی اور وسعت کے لحاظ سے پہلے سے بھی امتیازی حیثیت کا حامل تھا ؛ لیکن اس کا نیا ٹرمنل اپنی مثال آپ ہے ، اس حقیر کو ایشیاء ، افریقہ ، یورپ کے متعدد ممالک میں جانے کا موقع ملا ہے اور اب کناڈا کے سفر کا بھی اتفاق ہوا ؛ لیکن غالباً ان میں سے کوئی بھی ایرپورٹ دبئی ایرپورٹ کے ہم پلہ نہیں ۔

یہاں سے دو تین گھنٹوں کے وقفہ کے بعد سفر کا اگلا مرحلہ شروع ہوا اور ہم ٹورنٹو کے لئے روانہ ہوئے ، یہ سفر تقریباً چودہ گھنٹے کا تھکا دینے والا تھا ؛ حالاں کہ امارات ائرلائنز کی سروس اچھی ہے اور جہاز کی سیٹیں معقول ہیں ، جب ہم ٹورنٹو پہنچے تو ابھی وہاں دن کے چار بجے رہے تھے ، میں آدھے گھنٹہ میں کسٹم اور امیگریشن سے فارغ ہو کر باہر آ گیا ، یہاں شاہ محمد قادری صاحب کے علاوہ معروف عالم حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی ، مفتی آدم فلاحی ،

جناب شکیل اختر، حیدرآباد کے جناب قاسم الدین صاحب اور بعض دیگر احباب منتظر تھے، وہاں سے یہ پورا قافلہ Best Restaurant (بسٹ ریسٹورنٹ) ہوٹل پہنچا، جہاں میرے قیام کا نظم تھا، یہ ایک 'ہوٹل گروپ' ہے، جس کے تحت امریکہ اور کناڈا میں بہت سی برانچس (شاخیں) ہیں، سنا ہے کہ سعودی شہزادہ طلال بن ولید نے اس ہوٹل کو خرید کرلیا ہے، یہ ہوٹل بہت پُر فضا ماحول میں بنا ہوا ہے اور بڑا پرسکون ہے؛ اس لئے رہائش کا یہ انتظام بہت سہولت کا باعث ہوا، جامع مسجد مارکھم کے ذمہ داران جناب ظہیر الدین مجاہد انصاری اور قاری ابراہیم صاحب بھی آرہے تھے؛ لیکن ٹریفک کی وجہ سے تاخیر ہوئی، ان حضرات کے علاوہ فاؤنڈیشن کے نائب صدر سید اکبر وارثی اور سکریٹری جناب خلیل خاں ہوٹل تشریف لائے، ٹورنٹو میں اس وقت نماز عصر سات بجے ہوتی ہے، تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد جناب قادری صاحب اور خلیل خاں صاحب اس حقیر کو لے کر فاؤنڈیشن گئے، وہاں فاؤنڈیشن کے صدر جناب جاوید علی خاں ٹرسٹی، جناب سید عارف خطیب، جناب اشرف علی خاں اور جامع مسجد کو پر کے صدر جناب محمد بصیر خاں، نیز سید ظہیر الدین صاحب سے ملاقات ہوئی، مسجد ہی سے متعلق ایک ہال میں سید اکبر وارثی کی طرف سے عشائیہ کا نظم ہوا، یہاں چوں کہ رات چھوٹی ہوتی ہے اور دن بہت بڑا، اس لئے اس موسم میں لوگ مغرب سے پہلے ہی رات کا کھانا کھا لیتے ہیں، پھر مجھے ہوٹل پہنچا دیا گیا اور آج کی شب ہم نے پورا وقت آرام میں گذارا۔

۱۴؍جون ۲۰۱۱ء کو بھی میزبانوں نے میرے لئے آرام کا دن رکھا تھا، آج ناشتہ کے بعد شاہ صاحب شہر کے بعض علاقوں کی سیر کراتے ہوئے اسلامک فاؤنڈیشن کے سنٹر پر لے گئے، یہاں سنٹر کی مسجد کے خطیب مولانا یوسف بدات شعبۂ تحفیظ القرآن کے ذمہ دار مولانا یونس انگار اور سنٹر کے مختلف شعبوں کے اساتذہ اور کارکنان سے ملاقات کا اور فاؤنڈیشن کے مختلف شعبوں کو دیکھنے کا موقع ملا، فاؤنڈیشن کے تحت ایک وسیع اور خوبصورت مسجد ہے، جو نہ صرف نماز کا؛ بلکہ مختلف علمی و دعوتی خدمات کا مرکز ہے، یہاں لائٹ، ساؤنڈ اور کیمرے کا نہایت عصری نظام ہے، اس لئے یہاں جو خطابات ہوتے ہیں، وہ انٹرنٹ کے ذریعہ پوری دنیا میں نشر کئے جاتے ہیں، فاؤنڈیشن کے تحت تحفیظ القرآن کا مدرسہ بھی ہے، جس میں تقریباً دو سو طلبہ وطالبات قرآن مجید حفظ کرتے ہیں۔

قاری محمد یونس انگار بہت ہی فعال ولائق شخصیت اور خوش الحان قاری ہیں، وہ اس درسگاہ کے ذمہ دار ہیں، ایک شعبہ 'سنڈے اسکول' کا ہے، جس میں صرف اتوار کا دن فارغ کرنے والے طلبا وطالبات کی تعلیم ہوتی ہے، وہاں کے مغرب زدہ ماحول میں اس کی بڑی اہمیت ہے، فاؤنڈیشن کے تحت ایک ہمہ وقتی ہائی اسکول بھی ہے، جس میں بارہویں جماعت تک لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا نظم ہے، انھیں سرکاری نصاب کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم دی جاتی ہے، نیز اسلامی ماحول میں تعلیم وتعلم کا کام انجام پاتا ہے، اس طرح بحیثیت مجموعی تقریباً دو ہزار طلبہ وطالبات فاؤنڈیشن کے تعلیمی نظام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مغربی ملکوں میں ایک اہم مسئلہ تجہیز وتکفین اور تدفین کا بھی ہے، بعض اوقات لاش کو ایک دو دن برف دان میں رکھنا بھی پڑتا ہے، فاؤنڈیشن میں اس کا بھی انتظام ہے، انتقال کے بعد لاش سنٹر لے آئی جاتی ہے، وہیں غسل سے لے کر تدفین تک کے سارے اُمور انجام دیئے جاتے ہیں اور متوفی کے اعزہ بھی وہیں آجاتے ہیں، وہاں جیم بھی ہے جس میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ ورزش کا انتظام ہے، ایک بڑا ہال بھی ہے، جس میں بعض اوقات شادی کی تقریب انجام دی جاتی ہے، خدمتِ خلق کا ادارہ بھی ہے، جس سے غرباء کی مدد کی جاتی ہے اور دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر آفت آئے، ان کا تعاون کیا جاتا ہے، پاکستان کے زلزلہ، بنگلہ دیش کے طوفان اور افریقہ میں پیش آنے والے بعض قدرتی حادثات میں اس ادارہ کی نمایاں خدمات رہی ہیں، اس مرکز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مختلف قومیتوں کے لوگ جمع ہیں، برصغیر کے علاوہ عرب اور افریقہ، نیز یورپ کے مسلمان بھی اس مرکز سے مربوط ہیں؛ اس لئے پورے کناڈا میں اسلامک فاؤنڈیشن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، یہ یہاں کا سب سے قدیم ادارہ ہے اور اس کے تحت بننے والی مسجد شہر کی پہلی مسجد ہے، فاؤنڈیشن کے تمام کام نہایت منظّم اور سلیقہ مندی کا مظہر ہیں۔

یہیں ظہر کی نماز ادا کی گئی اور بہت سے احباب سے ملاقات ہوئی، جن میں جناب کرم علی خاں (جو چنچل گوڑہ کے رہنے والے ہیں) اور جناب محمد یوسف صدیقی (جو پروفیسر سلیمان صدیقی، سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی کے برادر خورد ہیں اور فاؤنڈیشن کے اسکول میں سائنس کے استاذ ہیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہیں ظہرانہ تناول کیا گیا اور پھر ہم ہوٹل کی طرف واپس ہوگئے، آج شام کا کھانا 'رویت ہلال کمیٹی' کے صدر جناب یونس پانڈور صاحب کے یہاں تھا، کھانا بہت پرتکلف تھا اور ٹورنٹو کے بہت سے معززین دعوت میں شامل تھے، یہاں سے ہم لوگ شہر کے مرکزی علاقہ ڈاؤن ٹاؤن (Down Town) سے ہوتے ہوئے ہوٹل پہنچے اور آرام کیا، مگر ہندوستان اور کناڈا کے درمیان اوقات میں دن و رات کا جو فرق ہے اس کی وجہ سے ایک ہفتہ تک یہ کیفیت رہی کہ رات کو بمشکل نیند آتی اور دن میں غنودگی کی کیفیت رہتی، میں نے لوگوں سے کہا کہ میں اپنی آنکھوں کو یقین دلا رہا ہوں کہ اب تم ہندوستان میں نہیں کناڈا میں ہو؛ لیکن آنکھیں تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

ٹورنٹو میں ایک اہم عمارت CN Tower ہے، ۱۹۶۷ء میں جب یہ عمارت مکمل ہوئی تھی تو یہ دنیا کی سب سے اونچی عمارت تھی اور ۳۴ سال تک اس کا یہ اعزاز قائم رہا؛ البتہ عرب امارات میں جب 'بُرج خلیفہ' تعمیر ہوا تو وہ عمارت اپنی بلندی میں اس سے بھی آگے بڑھ گئی؛ لیکن بعض جہتوں سے ابھی بھی اسے انفرادیت حاصل ہے اور یہ دنیا کی چند بلندترین عمارتوں میں سے ہے، جس کو سیول انجینئرس کی امریکن سوسائٹی نے دنیا کے سات عجائبات میں شمار کیا ہے، اس کی اونچائی ۱۸۱۵ فٹ سے بھی زیادہ ہے، انتہائی منزل سے کچھ پہلے ایک منزل پر ریسٹورنٹ واقع ہے،

جس کی دیواریں چاروں طرف سے شیشہ کی بنی ہوئی ہیں، ہمارے میز بانوں نے آج صبح کا وقت اس ٹاور کی سیر کے لئے رکھا تھا، جناب سید شاہ محمد قادری، قاری محمد یونس انگار اور مفتی آدم فلاحی کے ساتھ ہم لوگ یہاں پہنچے، حیدرآباد کے ایک صاحب جناب سرفراز احمد خاں اسی ٹاور کی کسی آفس میں اہم عہدہ پر ہیں، انھیں پہلے سے خبر کر دی گئی تھی؛ تا کہ ان کی رہنمائی میں صحیح طور پر اس تاریخی عمارت کو دیکھا جا سکے، وہ آج ایک خاص مصروفیت کی وجہ سے ہم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکے؛ لیکن ایک بنگلہ دیشی نژاد رفیق اختر حامد صاحب کو ہم لوگوں کے ساتھ کر دیا، انھوں نے تفصیل سے اس عمارت کی سیر کرائی؛ بلکہ یوں کہا جائے کہ ہم لوگوں نے وہاں سے پورے ٹورنٹو شہر پر ایک نظر ڈالی؛ بلکہ کہا جاتا ہے کہ نیا گرافال کا دور دراز علاقہ بھی وہاں سے نظر آتا ہے، اس عمارت میں جو لفٹ لگی ہوئی ہے، اس کی تیز رفتاری بھی حیرت انگیز ہے، جو چند سکنڈوں میں کسی معمولی جھٹکے کے بغیر اتنی بلندی پر پہنچا دیتی ہے۔

یہاں سے اُترنے کے بعد سمندر سے متعلق ایک مختصر فلم دکھائی گئی، یہ امریکن آئس لینڈ اور تھائی لینڈ کے ساحل سے متعلق تھی، اس میں سمندر کے اندر اُٹھنے والی لہروں اور اس کے اثر سے سطح سمندر پر ظاہر ہونے والی پہاڑ جیسی بلند موجوں اور طوفانوں کا حقیقی منظر دکھایا گیا ہے، جس کو دیکھ کر انسان دم بخود رہ جاتا ہے، اس کو دیکھنے کے لئے ہم لوگوں کو ایک خاص قسم کی عینک بھی پہنائی گئی، جس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ متلاطم موجیں ہماری طرف بڑھی آرہی ہیں اور شاید اب دبوچ کر ہی چھوڑیں گی، اِن لہروں کے درمیان ایک امریکی مہم جو کو بھی دکھایا گیا، جو حفاظتی آلات کے ساتھ اپنی کشتی سمیت ان موجوں سے گذرتا ہے اور اتھاہ پانی میں کتنی ہی بار ڈوبتا اور نکلتا ہے، یہ منظر نہایت ہیبت ناک تھا اور واقعی یہ ان حوصلہ مند لوگوں کا کمال ہے جنھوں نے اس منظر کی فوٹو گرافی کی ہے اور اسے اپنے کیمروں میں قید کیا ہے۔

ٹورنٹو میں ایک بڑی جھیل ہے؛ بلکہ اسے بحیرہ کہنا چاہئے جو کناڈا سے امریکہ تک چلی گئی ہے اور اس کے حدود نظر نہیں آتے، یہ برف سے پگھلنے والا نہایت ہی صاف شفاف پانی ہے اور ٹورنٹو میں لوگوں کے لئے تفریح کا مرکز بھی ہے، اس کے ساحل کا ایک کنارہ Wood Bine Beach کہلاتا ہے؛ چوں کہ ہم لوگوں کو اسی علاقے سے گذرنا تھا اس لئے دوستوں نے وہاں گاڑی کھڑی کی اور ساحل کے قریب تک گئے، بڑے خوبصورت ہرے بھرے پارک ہیں اور یہاں بھی دوسرے مقامات کی طرح صفائی وستھرائی کا بے حد اہتمام ہے، جی چاہتا تھا کہ پانی کے قریب تک جایا جائے؛ لیکن جوں جوں قریب پہنچتے جایئے، عریانیت کے مناظر بڑھتے جاتے ہیں، اس لئے ہم نے ساتھیوں سے کہا کہ اب ہمیں واپس ہو جانا چاہئے، افسوس کہ مغربی ممالک کے باشندے نہ صرف علم وسائنس کے اعتبار سے بلکہ اپنی بعض اخلاقی خوبیوں کے اعتبار سے بھی بڑے بڑے بلندیوں پر فائز ہیں؛ لیکن شرم وحیا کے پہلو سے دناءت وپستی بھی اسی قدر بڑھی ہوئی ہے اور یہ نتیجہ ہے مادی دولت سے مالا مال اور روحانی دولت سے محروم ہونے کا۔

یہاں سے ہم لوگ مولانا سلیم صاحب کے گھر پہنچے، جہاں مولانا احمد صاحب اور مولانا زکریا پنچ بھیا سے ملاقاتیں ہوئیں اور ظہرانہ تناول کیا گیا، آج نماز عصر کے بعد اسلامک فاؤنڈیشن میں 'تجارت اور جدید مسائل' پر اس حقیر کا خطاب تھا، یہاں ہفتہ واتوار کے علاوہ سامعین کم ہوتے ہیں؛ اس لئے سامعین زیادہ نہیں تھے؛ لیکن اصحابِ ذوق اور باشعور افراد تھے؛ چنانچہ انھوں نے کافی سوالات کئے، زیادہ تر یہ سوالات سود اور سودی قرض سے متعلق تھے؛ کیوں کہ مغربی ملکوں میں کچھ ایسا نظام ہے کہ آپ کی ساری خواہشیں بآسانی کم وقت میں اور معمولی ضمانتوں کے ساتھ پوری کردی جاتی ہیں؛ لیکن اس کے بعد آپ کو زندگی بھر کام کرنا اور قرض اور اس کا سود ادا کرتے رہنا پڑتا ہے، اس حقیر نے عرض کیا کہ جو مسلمان معاشی اعتبار سے اچھی حالت میں ہیں اگر وہ چھوٹی چھوٹی سوسائٹیاں بنا کر غیر سودی قرض جاری کریں یا لوگوں کی ضروریات 'اُدھار مرابحہ' کے ذریعہ پوری کریں تو اس صورت حال کا مداوا ہوسکتا ہے اور یہ عمل اس خطہ میں عبادت سے کم اجر وثواب کا باعث نہیں — آج رات کا کھانا ایک دینی درسگاہ کے ذمہ دار مولانا محمد ادریس صاحب کے گھر تھا، یہاں بہت سے علماء بھی جمع ہو گئے تھے، ان سے گفتگو کا سلسلہ رہا، راقم الحروف نے خصوصیت سے اس بات پر توجہ دلانے کی کوشش کی کہ علماء کو مغربی ملکوں میں کس طرح اسلام کی ترجمانی اور شرعی مسائل کے حل پر توجہ دینی چاہئے، پھر ان کے سوالات کے جواب بھی دیئے گئے اس طرح کھانے کی یہ مجلس ایک اچھے علمی مذاکرہ میں تبدیل ہوگئی۔

۱۶ر جون ۲۰۱۱ء کو ظہر سے پہلے میز بانوں نے Ontario Science Centre کی سیر رکھی تھی، یہ یہاں کا بہت بڑا سائنس میوزیم ہے، جس میں مختلف ایجادات اور ان کے تدریجی ارتقاء کو دکھایا گیا ہے، نیز حجری دور کی دریافت شدہ بعض چیزیں بھی رکھی گئی ہیں، واقعہ ہے کہ یہ بہت معلوماتی میوزیم ہے اور دیکھنے کے لائق ہے، یہاں ایک مختصر سائنسی فلم ''سمندر کے اندر'' (Under the Sea) کے نام سے دکھائی جاتی ہے، اس میں سمندر کے اندر پائے جانے والے جانوروں، درختوں اور پودوں کو دکھایا گیا ہے، انڈونیشیاء اور آسٹریلیا کے ساحل سے اس کی عکس بندی کی گئی ہے، یہاں بھی ہم لوگوں کو وہی عینک پہنائی گئی، جس سے کوئی بھی منظر نگاہوں سے بالکل قریب بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، یہ ایسے یادگار مناظر تھے، جنھیں آدمی بھلائے نہ بھلا سکے، بڑی بڑی مختلف رنگوں کی مچھلیاں، ایسی خوبصورت کہ جیسے کسی ماہر نقاش نے ان پر نقش کاری کی ہو، بعض مچھلیاں ایسی کہ گویا ان کے جسم پر کنکروں کا یا درخت کے پتوں کا ڈھیر رکھ دیا گیا ہو، جب تک وہ حرکت نہ کریں یہ اندازہ نہ ہو کہ یہ کوئی حیوان ہے، ایسی مچھلی بھی نظر آئی جس کا رنگ بار بار بدلتا رہتا ہے اور اس میں ایک طرح کی چمک پائی جاتی ہے، بڑی مچھلیاں کس طرح چھوٹی مچھلیوں کا شکار کرتی ہیں؟ یہ منظر بھی دیکھا گیا، یہاں تک کہ بعض مچھلیوں میں نر و مادہ کے اختلاط کی عجیب صورت کہ ایک دوسرے کے منھ میں اپنی چونچ ڈال لیتے ہیں، کا منظر بھی سامنے آیا، اسی طرح بے شمار اور بہت بڑے مختلف رنگوں

کے موٹے اور بڑے سانپ بھی دیکھنے میں آئے، ایک جگہ تو ایسا منظر سامنے تھا کہ گویا سانپوں کا باغ ہو، یعنی سنگلاخ زمین اور جیسے زمین کے اندر سے درخت نکلتے ہیں، اسی طرح زمین کے اندر سے نکلے ہوئے بڑے بڑے سانپ لمبائی میں کھڑے ہوئے کہ جیسے زمین کے پودوں کی طرح نکلے ہوں، اسی طرح مختلف آبی جانور، الگ الگ شکلیں، الگ الگ رنگ، الگ الگ جسم، واقعہ ہے کہ ان کو دیکھ کر اللہ پر انسان کا یقین بڑھتا ہے اور دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ''ربنا ماخلقت هذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار'' — پھر ان سب کے لئے سمندر کی تہوں میں رزق کا جو انتظام کیا گیا ہے، وہ بھی قابل دید ہے، آج بعد نماز عصر اسلامک فاؤنڈیشن میں سرمایہ کاری کے اسلامی اُصول پر خطاب تھا، دیگر حضرات کے علاوہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات خاص طور پر اس پروگرام میں موجود تھے؛ چنانچہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کا خطاب ہوا، نیز مغرب سے پہلے اور مغرب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ حاضرین کے سوالات کے جواب دیئے گئے، آج یہ حقیر بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کے یہاں عشائیہ پر مدعو تھا، بعد مغرب ہم لوگ یہاں حاضر ہوئے، مولانا چوں کہ شہر میں اہل علم کا مرجع اور جمعیۃ علماء کناڈا کے صدر ہیں، اس لئے یہاں علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی؛ چنانچہ کھانے کے بعد دیر تک تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۷/جون ۲۰۱۱ء کو جمعہ کا دن تھا، اس حقیر نے اسلامک فاؤنڈیشن کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، نماز سے پہلے پندرہ منٹ اس حقیر نے 'عدل واحسان' کے مفہوم، اس کی اہمیت اور ہماری زندگی سے اس کے تعلق پر روشنی ڈالی اور دس منٹ میں اس کا خلاصہ مسجد ہذا کے خطیب مولانا محمد یوسف بدات نے انگریزی زبان میں پیش کیا، آج ہی بعد نماز عصر ٹورنٹو کی ایک اہم مسجد جامع ابوبکر صدیق میں اس حقیر کا خطاب رکھا گیا تھا، ٹورنٹو کے معروف عالم مولانا محمد قاسم انگار — جو اپنے وقار ومتانت کے لحاظ سے علماء کے درمیان امتیازی حیثیت کے حامل ہیں، جامعہ فلاح دارین کے قدیم فضلاء میں ہیں اور مولانا عبداللہ صاحب کے خویش ہیں — وہ یہاں کے امام وخطیب ہیں، میں نے یہاں کسبِ حلال کی اہمیت اور کسبِ حرام کی مضرتوں پر گفتگو کی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ جو اہمیت عبادات کی ہے، اس سے کم اہمیت معاملات کی نہیں ہے؛ بلکہ معاملات میں اگر احکام شریعت کی رعایت نہ کی جائے تو عبادتیں بھی نامقبول اور دُعائیں بھی نامستجاب ہوجاتی ہیں، یہاں ایک سہولت یہ بھی رہی کہ راقم الحروف نے مسلسل اُردو میں خطاب کیا اور دوسرے ہال میں انگریزی سمجھنے والوں کے لئے صاف صاف انگریزی ترجمہ کا نظم رکھا گیا۔

۱۸/جون ۲۰۱۱ء کو ہفتہ کا دن تھا، ہفتہ اور اتوار کے دن چوں کہ یہاں ہفتہ واری تعطیل ہوتی ہے، اس لئے یہ دونوں دن پروگراموں کے لئے بہت اہم ہوتے ہیں اور سامعین کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی ہے؛ چنانچہ آج ظہر کے بعد اسلامک فاؤنڈیشن کے ہال میں خواتین کے لئے پروگرام رکھا گیا، جس کا عنوان تھا ''اسلام میں خواتین کے حقوق'' — مغربی دنیا میں یہ عنوان بڑا اہم ہے؛ چنانچہ پس پردہ بہنوں سے خطاب کیا گیا اور جناب شکیل احمد صاحب نے

انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ،شکیل صاحب پاکستان نژاد کناڈیائی شہری ہیں ، اسلامک فاؤنڈیشن میں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے ہیں اور ماشاء اللہ بڑے ہی فعال، متحرک اور سمجھ دار کارکن ہیں ، اسی دن بعد نماز عصر ’جدید میڈیکل مسائل‘ پر خطاب ہوا، جس میں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات شریک ہوئے اور مولانا محمد الیاس صاحب نے خطاب کا انگریزی ترجمہ کیا، خطاب کے بعد بہت سے سوالات کئے گئے ، زیادہ تر سوالات جلاٹین، الکوحل، اعضاء کی پیوندکاری اور اعضاء کے عطیہ سے متعلق تھے۔

۱۹/جون ۲۰۱۱ء کو بعد نماز ظہر فاؤنڈیشن کے ’مدرسہ تحفیظ القرآن‘ کا جلسہ تھا، جس میں سترہ طلباء کا حفظ قرآن کریم مکمل ہوا، حفظ مکمل کرنے والوں کو اسناد اور مومنٹو (Momento) پیش کئے گئے ، اسی طرح دوسرے شعبوں میں نمایاں نمبر حاصل کرنے والوں کو بھی مومنٹو دیا گیا ، یہ طریقہ حوصلہ افزائی کے لئے اچھا محسوس ہوا، اگر ہندوستان میں بھی دینی مدارس اپنے یہاں اسے اختیار کریں تو یہ ایک اچھی بات ہوگی ، اس یادگار مومنٹو سے ان کا حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ انھیں اپنے درجہ و مقام کی یاد دلاتا رہتا ہے ، — آج ظہر سے پہلے صبح دس تا ساڑھے گیارہ بجے جامعہ ابوبکر صدیق میں علماء سے خصوصی خطاب رکھا گیا تھا، ماشاء اللہ اس میں ٹورنٹو اور اس کے مضافات کے علماء کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی ، یہ پروگرام جمعیۃ علماء کناڈا کے تحت تھا اور مولانا عبداللہ صاحب کے زیر صدارت تھا، میں نے اس میں مغرب کی فکری یلغار کے مقابلہ علماء کی ذمہ داری اور غیر اہم مسائل میں اُلجھنے کے بجائے اہم مسائل پر توجہ کی ضرورت پر زور دیا اور خاص طور پر یہ بات کہ فکری اعتدال کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے؛ لیکن موجودہ دور میں اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اور افراط وتفریط کی وجہ سے ہماری صلاحیتیں غلط راستے میں خرچ ہورہی ہیں ، حاضرین کے سوالات کے جواب بھی دیئے گئے اور متعدد حاضرین نے کہا کہ واقعی آپ نے بہت ہی اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہاں ان ہی باتوں کو کہنے کی ضرورت تھی۔

حسن اتفاق ہے کہ اسلامک فاؤنڈیشن پر بعض بدخواہوں نے مقدمہ کردیا تھا، جو کئی سال سے چل رہا تھا، یہ مقدمہ میرے اس سفر کے دوران ہی فاؤنڈیشن کے حق میں فیصل ہوا، دوسرے ایک عرصہ سے فاؤنڈیشن اپنی عمارت میں توسیع کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے بلدیہ سے اجازت کی کوشش چل رہی تھی ، مگر یہ کامیاب نہیں ہو پارہی تھی ، اسی دوران یہ اجازت بھی حاصل ہوگئی ، اس لئے ادارہ کے ذمہ داران بہت خوش تھے اور ان کے خیال میں میرا یہ سفر ایک فالِ نیک تھا؛ چنانچہ آج حفظ کے پروگرام کے بعد توسیعی حصہ کے لئے سنگ بنیاد کی تقریب رکھی گئی اور اس حقیر کو بنیاد رکھنے کا شرف بخشا گیا، اس موقع پر ذمہ داران نیز حلقہ کے ممبر پارلیامنٹ ، ممبر اسمبلی ، بلدیہ کے ذمہ دار اور معززین شہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور نہایت خوشگوار ماحول میں یہ تقریب انجام پائی ، آج ہی بعد نماز مغرب Fund Raising کے لئے ڈنر رکھا گیا تھا، جس میں لبنانی نژاد پروفیسر منیر القاسم خاص طور پر مدعو تھے، انھوں نے

بڑے سلیقہ سے تعاون کی اپیل کی ایک لاکھ ڈالر مطلوب تھے ؛ لیکن اسی مجلس میں ایک لاکھ سے اوپر کا وعدہ ہوگیا اور بہت سے لوگوں نے چیک بھی پیش کر دیئے، فنڈ ریزنگ کا یہ طریقہ بڑا اچھا محسوس ہوا اور بہت مہذب طریقے پر یہ کام انجام پا گیا۔

آج ایک خوشی کی بات یہ بھی ہوئی کہ میرے ایک عزیز شاگرد مولانا احمد عبد المجیب ندوی قاسمی — جو امریکہ کے شہر سیاٹل میں رہتے ہیں اور وہاں کی ایک دینی درسگاہ کے ذمہ دار ہونے کے علاوہ امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں، — بھی اس حقیر سے ملاقات کے لئے آپہنچے اور انھوں نے اس کے لئے براہِ نیویارک تقریباً چار گھنٹہ کا ہوائی سفر کیا، یہ ماشاء اللہ بڑے ہونہار فاضل اور زبان وقلم دونوں کے دھنی ہیں اور صلاحیت کے ساتھ صالحیت کا بھی نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت دے اور ان سے دین اور علم دین کی خوب خوب خدمت لے، وہ آئندہ تین دنوں تربیت قضاء کے کیمپ میں شریک رہے اور ۳۰ / جون ۲۰۱۱ء کو واپس ہوئے — اس سے پہلے دن عزیزی مولانا محمد شجاعت ندوی بھی آگئے تھے، یہ کناڈا کے شہر 'وینکور' میں دینی خدمت انجام دیتے ہیں، یہ شہر ٹورنٹو سے ساڑھے تین گھنٹہ کے ہوائی سفر کی مسافت پر ہے، انھوں نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے افتاء کی تربیت پائی ہے، سلیم الفکر اور سلیم الطبع فاضل ہیں، ان دونوں حضرات کی آمد نے بڑا اشاد کام کیا اور بہت سی باتوں پر گفتگو اور مشورہ کا بھی موقع ملا۔

۲۰ تا ۲۲ / جون ۲۰۱۱ء روزانہ صبح ۹ تا نماز ظہر 'تربیت قضاء کیمپ' منعقد ہوا، جس میں اس حقیر نے غیر مسلم ممالک میں نظام قضاء کی اہمیت، دعویٰ، اقرار، شہادت، یمین، نکول، قسامہ، قرائن قاطعہ یعنی دعویٰ اور اس کے ثابت کرنے کے وسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی، نیز اسبابِ فسخ، بیان لینے کا طریقہ، فیصلے کا منہج اور مختلف مقاصد کے لئے لکھی جانے والی دستاویزات پر محاضرات دیئے، اس کیمپ میں ساٹھ علماء نے شرکت کی اور کچھ عالمہ خواتین کی خواہش پر پردہ کی رعایت کے ساتھ ان کے لئے بھی شرکت کا نظم رکھا گیا، یہ پروگرام بڑا مفید محسوس کیا گیا، حاضرین نے دلچسپی بھی لی اور کثرت سے سوالات بھی کئے، اس کے ساتھ ساتھ ۲۰ / جون کو اسلامک فاؤنڈیشن نے بعد نماز مغرب مسلم پرسنل لا پر، ۲۱ / جون کو مسجد صالحین مالٹن میں فقہ اسلامی کے تعارف پر اور ۲۲ / جون کو جامع مسجد مارکھم میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کے شرعی اُصولوں پر خطابات ہوئے، ان تمام پروگراموں میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد شریک رہی، مسجد صالحین کا افتتاح چند ہی دنوں پہلے ہوا ہے، یہ بھی اور جامع مسجد مارکھم بھی بڑی خوبصورت اور تمام سہولتوں سے آراستہ ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد صالحین کی تعمیر کے موقع پر قانونی حیثیت سے شہر کے میئر نے بڑا تعاون کیا اور مقامی عیسائی مذہبی رہنما نے بھی؛ چنانچہ اس بات کا قدم قدم پر تجربہ ہوتا ہے کہ مسجدوں اور دینی اداروں کے سلسلے میں عام طور پر غیر مسلم بھائیوں کا رویہ نہایت مثبت اور مددگار رہا کرتا ہے، اس کا

تجربہ ہندوستان میں بھی ہوتا رہتا ہے اور دوسرے ملکوں میں بھی، اکثر و بیشتر خود ہماری شامتِ اعمال ہمارا پیچھا کرتی ہے اور ہمیں نقصان پہنچاتی ہے۔

۲۰/جون کو ظہر کے بعد فوراً بعد ہم لوگ ونڈر لینڈ (Wonder Land) گئے، اس سیر میں شاہ محمد قادری صاحب اور قاری محمد یونس صاحب کے علاوہ مولانا احمد عبد المجیب ندوی قاسمی اور مولانا محمد شجاعت علی ندوی بھی شریک تھے، اس میں پانی کی کشتی کا ایک بڑا پر لطف سفر ہوا، ساتھ ہی 'بوہال' (Boo Hall) میں بھی جانا ہوا، جسے ''بھوت بنگلہ'' کہہ سکتے ہیں، اس میں بڑے ڈراؤنے مناظر ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ مُردوں کے ڈھانچے قبر سے نکل کر باہر آرہے ہیں، یہ ایک عجیب بات ہے کہ مغرب نے ہر چیز میں تفریح کے پہلو کو تلاش کرلیا ہے، یہاں تک کہ موت اور اس کے بعد کی زندگی جو انسان کے لئے سراپا عبرت و موعظت ہے، وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، یہ پارک اصل میں بچوں اور بڑوں کی تفریح کے لئے ہے، جس میں طرح طرح کے جھولے اور نمائشیں رکھی گئی ہیں، ہم لوگوں نے کشتی کا جو سفر کیا، اس کی نہر بھی اس انداز پر بنائی گئی ہے کہ پانی کی تیز لہریں کشتی کو چلاتی ہیں، درمیان میں لہروں کا اُتار چڑھاؤ بھی ہوتا ہے اور باہر سے مصنوعی طور پر ایسے آبشار بھی بنائے گئے ہیں، جس سے پانی کا چھڑکاؤ ہوتا ہے اور آدمی اچھا خاصا بھیگ سا جاتا ہے، آج ہم لوگوں نے صبح کا ناشتہ حیدرآباد کے ایک بزرگ جناب فہیم صاحب کے مکان پر کیا تھا، جو بہت ہی پُر تکلف تھا اور رات کا کھانا مفتی آدم کویا کے یہاں کھایا گیا، یہ جس محلے میں رہتے ہیں اس کا نام پک رنگ (Pick Ring) ہے، مفتی صاحب نے بڑی پُر تکلف ضیافت کی، جس میں علماء کی بھی بڑی تعداد موجود تھی، ۲۱-۲۲ تاریخوں کو جناب ابراہیم بھیات اسکار بورو (Scar Borough) اور مولانا زکریا پنچ بھیا (مالٹن) قاری محمد یونس انگار، جناب ظفیر الدین (مارکھم) اور مفتی ابراہیم ڈیسائی کے یہاں ضیافت سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا، ان تمام دوستوں نے نہ صرف بڑا اہتمام کیا؛ بلکہ بہت سے لوگوں کو اس موقع پر مدعو کیا، جن کی ملاقات کے بغیر یہ سفر شاید نامکمل ہوتا۔

یہاں سے ہم لوگ میرین لینڈ (Marine Land) گئے، یہاں ایک بہت وسیع و عریض حوض میں وہیل مچھلی کو دیکھنے کا موقع ملا، جو ۱۳ میٹر سے زیادہ لمبی تھی اس میں نر و مادہ کئی مچھلیاں تھیں، اس کی دیواریں دبیز شیشہ کی ہیں، اس لئے نیچے کی منزل سے پانی کے اندر بہت صاف طریقے پر مچھلی کو دیکھا جاسکتا ہے، اسی طرح ایک اور حوض میں 'شارک' نامی مچھلی دیکھی گئی، یہ بڑی ہی خونخوار مچھلی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ان مخلوقات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی خلاقیت اور اس کے نظام ربوبیت پر ایمان میں اضافہ ہوتا ہے کہ کیسی کیسی وسیع و عریض مخلوقات کو اس نے وجود بخشا ہے اور پھر اس کے لئے زندگی کے وسائل بھی فراہم کئے ہیں، ان کے علاوہ تماشہ بینوں کے لئے ایک اسٹیڈیم نما عمارت 'ڈالفن' کے لئے بنائی گئی، جس میں ڈالفن نامی مچھلی مختلف کرتب دکھاتی ہے، وہ پانی میں کھڑے ہوکر

اشارے کرتی ہے، تیرتے ہوئے آدمی کے اوپر سے گذرتی ہے، بال کھیلتی ہے، اپنے دُم کے دونوں حصوں سے اس طرح کے اشارے کرتی ہے جیسے انسان رخصت ہوتے ہوئے کرتا ہے، موسیقی کی آواز پر رقص کرتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اگر تربیت کرنا چاہے تو جانوروں کو بھی اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لے؛ لیکن افسوس کہ جو انسان جانوروں کو اپنی تربیت سے مسخر کر لیتا ہے، وہ خود اپنے نفس کی تربیت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

۲۳؍جون جمعرات کا پورا دن جناب قادری صاحب نے تاریخی مقامات کی سیاحت کے لئے رکھا تھا؛ چنانچہ اس دن جناب قادری صاحب، مولانا محمد یوسف بدات، قاری یونس انگار اور مفتی آدم فلاحی کی رفاقت میں ٹورنٹو سے باہر کا سفر ہوا، پہلے ہم لوگ سفاری پارک گئے، جو ٹورنٹو سے غالباً دوسو میل پر واقع ہے، اس پارک میں افریقہ کے شیر ببر بھی تھے، جن کو کھلی حالت میں دیکھا گیا، یہ شیر ہم لوگوں کی گاڑی سے صرف چند میٹر فاصلے پر تھے، معلوم ہوا کہ برف کے موسم میں یہاں کے جنگلی جانور افریقہ بھیج دیئے جاتے ہیں اور موسم ختم ہونے کے بعد انھیں واپس لایا جاتا ہے؛ کیوں کہ ان کے لئے گرم رہائش کا انتظام اس آمد و رفت سے زیادہ اخراجات کا باعث ہوسکتا ہے، اس پارک میں ہاتھی کے کرتب بھی دکھائے جاتے ہیں اور مختلف دوسرے جانور بھی کھلی ہوئی حالت میں نظر آتے ہیں۔

یہاں سے ہم لوگ 'نیاگرا فال' گئے جو آج کے سفر کی آخری منزل تھی، یہ دنیا کا سب سے بڑا آبشار ہے، یہ ٹورنٹو سے غالباً چار سو کلومیٹر پر واقع ہے، نیاگرا ایک ندی ہے، جس کے ایک طرف کناڈا اور دوسری طرف امریکہ ہے، ندی کا بھی نصف حصہ کناڈا میں اور نصف حصہ امریکہ میں واقع ہے، جو حصہ امریکہ میں واقع ہے، ایک آبشار اس طرف سے گرتا ہے؛ لیکن یہ آبشار نسبتاً چھوٹا ہے، دوسرا حصہ کناڈا میں واقع ہے جس کو ہارس شو فال (Horse Shoe Fall) کہا جاتا ہے یہ گھوڑے کے کُھر کے مماثل ہے، جو دنیا کا سب سے بڑا آبشار ہے، جس سے ہر لمحہ پانی کی لہراتی ہوئی موجیں بلندی سے زمین کی طرف گرتی رہتی ہیں۔

یہ آبشار ایک گلیشیر کے پگھلنے اور ٹورنٹو کی طرف سے آنے والی سمندر نما جھیل کے پانی سے بنتا ہے اور ہر منٹ اوسطاً چار ملین کیوبک فٹ پانی گرتا رہتا ہے، آبشار کے قریب لے جانے کے لئے اسٹیمر موجود ہیں، جن کی چھتیں کھلی ہوئی ہیں؛ چوں کہ آبشار کے قریب پہنچنے کے بعد ہوا کے جھونکوں سے پانی کی چھینٹیں کثرت سے آتی ہیں؛ اس لئے پلاسٹک کا ایک سلا ہوا لباس اوڑھ کر جانا ہوتا ہے، اسٹیمر امریکی آبشار کے قریب سے گذرتے ہوئے کناڈا کے آبشار تک پہنچتا ہے، ہم لوگوں نے بھی اسٹیمر کے سفر کا لطف اُٹھایا اور آبشار کے قریب جاکر واپس ہوئے، یہ بڑی ہی خوشگوار تفریح تھی، شام کے وقت سورج ڈوبنے کے بعد آبشار پر مختلف رنگوں کی روشنیاں بکھیری جاتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ منظر اور بھی خوبصورت اور سیاحوں کے لئے یادگار لمحہ بن جاتا ہے، ایسے قدرتی مناظر کو دیکھ کر ایک مومن کا دل وجد کرنے لگتا ہے اور ان نشانیوں کو دیکھ کر اُسے ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق کا دیدار کر رہا ہے،

رات گئے ہم لوگ ٹورنٹو واپس آئے۔

۲۴ر جون کو جمعہ کا دن تھا، آج مجھے جامع مسجد مارکھم میں جمعہ سے پہلے خطاب کرنا تھا؛ چنانچہ اس حقیر نے ۲۰ منٹ آئندہ نسلوں کے دین کی حفاظت کے عنوان پر اُردو میں خطاب کیا اور دس منٹ اس کا خلاصہ مسجد کی خدمت کرنے والے ایک عالم دین نے انگریزی میں پیش کیا، لوگوں نے بڑی توجہ سے سنا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہی سب سے اہم موضوع ہے، جس پر یہاں مسلمانوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، آج جمعہ کے بعد ظہرانہ کا نظم جناب مجاہد انصاری صاحب کے یہاں تھا، انھوں نے اپنے یہاں حیدرآباد کے بہت سے احباب، نیز گجرات اور پاکستان سے تعلق رکھنے والی معزز شخصیتوں کو کھانے پر جمع کر دیا تھا، اس طرح یہ بہت سے لوگوں سے تعارف کا ذریعہ بنا اور حاضرین کی خواہش پر ''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' کے مقاصد، عزائم اور کارکردگی پر بھی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی، مجاہد انصاری صاحب جامع مسجد مارکھم کی مجلس انتظامی کے صدر ہیں، ماشاء اللہ بہت سے دینی کام انجام بھی دیتے ہیں اور ان میں تعاون بھی کرتے ہیں، ان کا تجارتی کاروبار بھی بہت وسیع ہے، مولانا میر قطب الدین علی چشتی، مہتمم 'جامعہ انوار الہدیٰ حیدرآباد' کے بھانجے ہیں اور ان ہی کی تربیت نے دینی مزاج بھی پیدا کیا ہے، مولانا چشتی صاحب سے تعلق کا انھوں نے بڑا پاس ولحاظ رکھا اور ضیافت کا حق ادا کیا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تجارتی مرکز پر لائے اور ان کے کاروبار کی وسعت کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، نیز ان کی خواہش پر دُعاء کا اہتمام کیا گیا۔

۲۴ر جون ۲۰۱۱ء کو مغرب سے لے کر ۲۶ر جون ۲۰۱۱ء کی عشاء تک 'اسلامک فاؤنڈیشن' کی 'یوتھ کانفرنس' تھی، جس میں روزانہ دوپہر سے عشاء تک خطابات اور مختلف تربیتی سرگرمیوں کا نظام چلتا تھا، اس پروگرام میں مہمان کی حیثیت سے اس حقیر کے علاوہ امریکہ سے مولانا امام طاہر، برطانیہ سے مولانا محمد بن آدم، مولانا احمد علی، جنوبی افریقہ سے مولانا سلمان ملا اور خود کناڈا سے لبنانی نژاد پروفیسر منیر قاسم بحیثیت محاضر مدعو تھے، یہ سبھی حضرات انگریزی زبان کے بہت اچھے خطیب شمار کئے جاتے ہیں اور اس حقیر کے خطاب کا انگریزی ترجمہ مولانا یوسف بدات کیا کرتے تھے، راقم الحروف نے ۲۴ر جون ۲۰۱۱ء کو رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا پیغام، ۲۵ر جون ۲۰۱۱ء کو رسول اللہ ﷺ کا داعیانہ اُسوہ اور ۲۶ر جون ۲۰۱۱ء کو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں کے زیر عنوان خطاب کیا، یوں تو ان تمام ہی خطابات کی پذیرائی ہوئی؛ لیکن خاص کر اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کے عنوان پر جو گفتگو ہوئی، اس سے نوجوان طلبہ نے بڑے تاثر کا اظہار کیا، وقت کی کمی کے باعث راقم نے اس خطاب میں خواتین کے لئے نقاب، اسلام کا تصورِ جہاد اور غیر مسلموں سے دوستی وموالات ہی کے موضوعات پر روشنی ڈالی، کئی حضرات نے کہا کہ اس موضوع پر مزید محاضرات ہونے چاہئے تھے، اس طرح اس سفر میں راقم الحروف کے خطابات کا سلسلہ تمام ہوا۔

یہ حقیر عرصہ سے حیدرآباد کے محلّہ حیدر گوڑہ کی مسجد میں جمعہ سے پہلے کچھ اصلاحی باتیں عرض کیا کرتا ہے؛ چنانچہ اس محلّہ کے بہت سے نوجوان — جنھیں بچپن سے میں نے دیکھا ہے اور اب وہ کناڈا کے متوطن ہیں، — جمع ہوگئے؛ چنانچہ میرے ایک کرم فرما ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مرحوم کے لڑکے عزیزی عبدالصمد و ڈاکٹر عمران وغیرہ اور ایک مخلص دوست جناب غوث محی الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے عزیزی ارشد سلمہ کے اصرار پر ان حضرات کے یہاں حاضر ہونے اور ان کی میزبانی سے لطف اندوز ہونے کا بھی موقع ملا، حیدرآباد کے میزبانوں میں ایک اہم نام جناب کرم علی خان کا بھی ہے، جنھوں نے ناشتہ پر مدعو کر کے حیدرآبادی کھانوں کا لطف تازہ کر دیا اور بڑے کرم ونوازش کا معاملہ کیا، اُن کی اِس دعوت میں حیدرآباد کے بہت سے متعارفین جمع ہوگئے اور دیر تک بے تکلف مجلس رہی، اسی دن دوپہر میں جناب احمد بھاگیہ کے یہاں ظہرانہ تناول کیا گیا، یہ حاجیوں کے قافلے لے کر جایا کرتے ہیں۔

۲۷/جون ۲۰۱۱ء کو مجھے واپسی کا سفر کرنا تھا؛ لیکن دوستوں کی طرف سے دعوت کے اصرار کا سلسلہ ایسا تھا کہ کسی طور پر ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا؛ چنانچہ ایک صاحب جن کا ہوٹل کا کاروبار ہے اور جو اصل میں بہار کے متوطن اور کناڈا کے شہری ہیں، ذائقہ دار بہاری کباب کے ساتھ ناشتہ لے کر آدھمکے، ان کے دادا حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے بیعت تھے اور ان کے والد غالباً قاری محمد طیب صاحبؒ سے، انھوں نے چلتے چلتے اس جانب توجہ دلائی کہ کناڈا میں قادیانیت اپنے پیر پھیلا رہی ہے اور اس طرف علماء کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے، میں نے عرض کیا کہ کاش! آپ نے یہ بات پہلے کہی ہوتی؛ کیوں کہ ہر پروگرام میں علماء کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، انھیں توجہ دلانے میں آسانی ہوتی، — باوجود کوشش کے میں اب تک ٹورنٹو یونیورسٹی کی لائبریری نہیں جاسکا تھا؛ چنانچہ سامان وغیرہ ساتھ رکھ کر جناب شاہ محمد قادری اور مفتی آدم کو یا، نیز قاری صاحب کے فرزند ارجمند عزیزی جنید قادری سلمہ کے ساتھ ہم لوگ لائبریری پہنچے اور کئی گھنٹے لائبریری میں گذارے، یہ لائبریری ایک یہودی کی بنائی ہوئی ہے، اس میں اسلامی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ ہے، یہ کئی منزلہ وسیع وعریض عمارت ہے اور اسلامیات کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ہے، زیراکس کی سہولت بھی میسر ہے، عزیزی جنید سلمہ اسی یونیورسٹی میں مصر کے معروف عالم شیخ بخیت پر (پی، ایچ، ڈی) کر رہے ہیں، عزیزی سلمہ اُردو کے علاوہ عربی، انگریزی، فرنچ اور ترکی زبانوں سے واقف ہیں، وہاں یونیورسیٹیوں میں یورپ کی دو زبانوں سے واقف ہونا ضروری ہے اور اگر اسلامیات پر پی-ایچ-ڈی کرنا ہو تو عربی کے علاوہ مسلمانوں کی مزید کسی ایک زبان سے آگہی ضروری ہے، ماشاءاللہ یہ حسن اخلاق میں اپنے والد کے نقش قدم پر ہیں، ان ہی کی رہنمائی میں لائبریری دیکھی گئی، فہرست مخطوطات کی زیراکس کرائی گئی، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے مجموعۂ مقالات میں ایک مضمون اسلام اور ہندو مذہب کی مشترک باتوں پر مل گیا، اس کی فوٹو بھی حاصل کی گئی، ایک

افسوسناک پہلو یہ نظر آیا کہ لائبریری میں قادیانیوں کا بہت سارا لٹریچر ہے؛ لیکن ردقادیانیت کا لٹریچر بہت کم ہے؛ چنانچہ اسلامک فاؤنڈیشن کے ذمہ داروں کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اس موضوع پر لٹریچر اپنے پاس سے منگا کر لائبریری کو ہدیہ کریں، عزیزی جنید سلمہ نے ویب سائٹ پر جا کر تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ اس حقیر کی تالیف ''کتاب الفتاویٰ'' کی چھ جلدیں موجود ہیں، اس طرح کئی گھنٹے لائبریری میں گذار کر ہم لوگ ایئرپورٹ کی سمت روانہ ہوئے۔

ایرپورٹ کے قریب ایک آبادی واقع ہے، یہیں ایک مفتی صاحب جن کے بارے میں حافظہ بے وفائی کررہا ہے —— کا اصرار تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے ایرپورٹ جائیں؛ چنانچہ ہمارا قافلہ ان کے دولت خانہ پر پہنچا، یہاں کھانا بھی کھایا گیا اور نماز بھی پڑھی گئی، علماء کی اچھی خاصی تعداد یہاں موجود تھی، ان میں مولانا رشید مسعود ندوی بھی تھے جو بعض اسلامی مالیاتی اداروں میں شرعی مشیر ہیں اور تاسیس کے شریعہ بورڈ میں ہم دونوں شامل ہیں، یہاں ہم نے مختصر وقت میں ردقادیانیت کی طرف توجہ دلائی، پھر یہاں سے ہم لوگ ایرپورٹ پہنچے، ہمارے اس قافلہ کے علاوہ اور بھی متعدد علماء ایرپورٹ آگئے تھے، خود حضرت مولانا عبداللہ صاحب بھی تھے، ان آنے والوں میں مفتی ابراہیم پنچ بھیا بھی تھے، یہ نوجوان اور ماشاء اللہ باصلاحیت فاضل ہیں، خوب سوالات کرتے ہیں؛ لیکن ادب واحترام کے ساتھ، اچھا علمی ذوق ہے، انھوں نے بعض مخطوطات کی فوٹو کاپی بھی فراہم کی، انشاء اللہ آئندہ معہد میں ان پر تحقیق کا کام ہوگا۔

ایرپورٹ پر ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ کمپیوٹر فیل ہوگیا، تمام جہازوں کی روانگی رُک گئی، خود ہم لوگوں کا جہاز پانچ گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوا اور ہاتھوں سے لکھ لکھ کر بورڈنگ کارڈ لوگوں کو دیا گیا، اس سے اندازہ ہوا کہ کمپیوٹر فیل ہونے کے واقعات ترقی پذیر ممالک تک ہی محدود نہیں ہیں؛ بلکہ ترقی یافتہ ممالک بھی اس سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، بہرحال اس تاخیر کی وجہ سے دبئی سے حیدرآباد کا جہاز چھوٹ گیا اور یہ سفر جو چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوجاتا تقریباً تیس گھنٹوں میں مکمل ہوا۔

کناڈا کے سفر نے پھر اس احساس کو تازہ کیا کہ مغربی ممالک میں جو مسلمان آباد ہیں، انھوں نے اپنی شیرازہ بندی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، ان کی صفیں شکستہ ہیں اور ان کے دلوں کے درمیان فاصلے اتنے بڑھے ہوئے ہیں، جنھیں پاٹنا دشوار نظر آتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حقیقی مسائل کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے، مسلکی اختلافات، علاقائی وابستگیاں اور جماعتی اور تنظیمی تعصّبات نے انھیں ان حقیقی خطرات کی طرف سے غافل کردیا ہے، جو انھیں اپنے ملک میں درپیش ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کثیر آبادی ہونے کے باوجود عوامی نمائندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں، مثلاً کناڈا کی پارلیامنٹ میں سکھوں کے کئی نمائندے ہیں؛ حالاں کہ ان کی آبادی کا تناسب مسلمانوں سے کم ہے، اس کے برخلاف مسلمانوں کا ایک نمائندہ بھی نہیں، یہودیوں کی آبادی کناڈا میں بہت کم ہے؛ لیکن

حکومت میں ان کا اثر ورسوخ بہت زیادہ ہے اور گورنمنٹ علانیہ طور پر اسرائیل کی حمایت اور فلسطینیوں کی مخالفت کرتی ہے، ذرائع ابلاغ اور معاشی وسائل میں مسلمانوں کی حصہ داری نہ ہونے کے برابر ہے، الیکشن میں جہاں مسلمان آبادیاں مرتکز ہیں، وہاں بھی آپسی اختلافات کی وجہ سے ان کا کوئی نمائندہ منتخب نہیں ہو پاتا اور اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ نمائندگی سے محروم رہتے ہیں، مسلمان اب تک کوئی ایسا وفاق نہیں بنا سکے جو پوری ملت کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکے، مختلف ممالک کے مسلمانوں میں آپسی تعارف اور ارتباط بھی نہیں اور وہ الگ الگ جزیروں میں زندگی گذارتے ہیں۔

علماء اُمت کے اصل رہنما ہیں؛ لیکن معمولی مسائل جیسے رؤیت ہلال اور اوقاتِ نماز میں ان کی صلاحیتیں خرچ ہو رہی ہیں، غیر اہم مسائل میں ان کی معرکہ آرائیوں اور منافستوں نے عوام میں ان کے وقار واعتبار کو بھی متاثر کیا ہے اور اختلافات کو بھی اس درجہ بڑھا دیا ہے کہ ایک ہی گھر میں دو عیدیں ہوتی ہیں اور رمضان المبارک میں کچھ لوگ فجر کی نماز ادا کر کے آتے ہیں اور کچھ لوگ سحری کھانے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں، یہ اختلاف پوری فضا پر چھایا ہوا ہے؛ حالاں کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، کہیں ایک جگہ چاند دیکھا جائے تو پوری دنیا میں عید کی جا سکتی ہے، اس لحاظ سے حجاز کی رؤیت پر رمضان اور عید کرنے کی گنجائش موجود ہے اور جمہور کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر ہے اور ہر جگہ وہاں کی رؤیت کا اعتبار ہے، اس طرح دونوں میں سے کسی ایک رائے پر اتفاق کیا جا سکتا ہے، اسی طرح جن دنوں شفق ابیض ڈوبتا نہیں ہے، ان دنوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کو لیتے ہوئے شفق احمر کے ڈوبنے پر عشاء کی نماز ادا کی جا سکتی ہے اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو اور شفق ڈوبتا ہی نہ ہو تو معتدل الاوقات علاقہ پر قیاس کر کے مغرب اور عشاء کا وقت مقرر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حدیث دجال میں رسول اللہ ﷺ نے اوقات کا اندازہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اصل اہمیت اُمت کے اتفاق واتحاد کی ہے، ایسے مسائل میں کسی ایک رائے پر اصرار کرنے سے، بہتر بات یہ ہے کہ گنجائش کے دوسرے پہلو کو اختیار کر لیا جائے، مگر افسوس کہ علماء نے شرعی مسائل میں بھی اپنی رائے کو وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔

ضرورت ہے کہ ان ممالک میں علماء نئے نسل کی فکری آبیاری کی طرف توجہ دیں، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جو شکوک وشبہات دلوں میں پیدا کئے جا رہے ہیں، انھیں دور کریں، ذرائع ابلاغ میں داخل کئے جانے اور اچھے افراد کے داخل ہونے کی کوشش کریں، برادرانِ وطن میں دعوتِ اسلام کے کام کی طرف توجہ دیں، یہ جان کر افسوس ہوا کہ قادیانی اس ملک میں بہت سرگرم ہیں، وہ اپنے مشن کے لئے جدید وسائل کا بھرپور استعمال کر رہے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں؛ لیکن وہاں کے مسلمانوں کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے، مسلمانوں کی بے وزنی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر منیر قاسم یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے کامیاب پروفیسر تھے؛ لیکن انھوں نے

اسرائیل کے خلاف ایک بیان دے دیا اور انھیں اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔

علماء کے یہاں افراط وتفریط بھی ہے، کچھ علماء وہ ہیں جو فقہاء کی ان جزئیات سے بھی سرموہٹنا نہیں چاہتے، جو ان کے معاصر حالات پر مبنی اجتہادات ہیں، دوسری طرف عرب اہل علم ہیں، جن کے یہاں حلال وحرام کی سرحدیں مٹتی نظر آتی ہیں، وہ اہل کتاب کے ذبیحہ کو مطلقاً حلال قرار دیتے ہیں اور متعدد مسائل میں ان کی آراء اجماع کے دائرہ سے باہر ہوگئی ہیں، ضرورت ہے کہ ان ملکوں میں رہنے والے اہل علم ایک اجتماعی شکل بنائیں، وہاں کے حالات میں پیدا ہونے والے مسائل پر پوری گہرائی اور اعتدالِ فکر کے ساتھ غور کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں؛ تاکہ افراط وتفریط پر مبنی انفرادی فتنوں سے اُمت میں انتشار پیدا نہ ہو، جو فکری انتشار پیدا ہو رہا ہے، اس سے لوگ محفوظ رہیں۔

اس بات سے مسرت ہوئی کہ ان ملکوں میں علماء کی نئی نسل انگریزی زبان پر قدرت رکھتی ہے، یہ بہت اہم بات ہے، اس طرح وہ دعوتی جدوجہد میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں؛ لیکن چوں کہ برصغیر سے گئے ہوئے لوگوں کا فکری رشتہ یہاں کے بزرگوں سے جڑا ہوا ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُردو زبان سے اپنا تعلق باقی رکھیں؛ تاکہ اُردو میں اسلامیات کا جو عظیم الشان سرمایہ ہے، وہ اس محروم نہ ہو جائیں؛ چنانچہ کناڈا اور دوسرے مغربی ملکوں میں یہ بات نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ جن لوگوں کا رشتہ اپنی زبان سے باقی ہے، ان کے یہاں فکر وعمل کی سلامتی زیادہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ علماء انگریزی زبان کو صرف باہمی گفتگو کا وسیلہ نہ بنائیں؛ بلکہ وہ مغربی افکار ونظریات کا مطالعہ بھی کریں اور ان کے منفی پہلوؤں کا جواب دینے کی لیاقت بھی اپنے اندر پیدا کریں۔

یہ عجیب بات ہے کہ مغربی قومیں پوری دنیا میں فساد مچاتی رہتی ہیں؛ لیکن خود اپنے ملک میں انھوں نے نہ صرف امن وامان قائم رکھا ہے؛ بلکہ اخلاقی قدروں کو بھی فروغ دینے کی پوری کوشش کی ہے، کناڈا میں بھی قدم قدم پر یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے کہ لوگ ڈسپلن کے پابند ہیں، صفائی وستھرائی کا اہتمام قابل تقلید ہے، کہیں کوئی کچڑا یا گندگی نظر نہیں آتی، نہ کہیں تھوک اور پان کی پیک نظر آتی ہے، عام طور پر لوگ جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، عمر رسیدہ لوگوں کا احترام کیا جاتا ہے، بچوں کی اور پیدل چلنے والوں کی خوب رعایت کی جاتی ہے، اجنبی اور نو وارد سے بھی اخلاق اور ہمدردی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور ان کا لحاظ رکھتے ہیں، غرض کہ یہ قوم ایمان سے تو محروم ہے؛ لیکن اسلامی اخلاق سے آراستہ ہے، اگر یہ اسلام کے دائرہ میں آجائیں تو بہترین مسلمان ثابت ہوں گے، ان ساری خوبیوں کے ساتھ ان کا سب سے بڑا عیب بے حیائی اور عریانیت ہے، جس کی کوئی سرحد نہیں؛ بلکہ معلوم ہوا کہ بعض ایسے پارک اور علاقے بھی ہیں، جہاں لوگ بالکل بے لباس رہتے ہیں اور وہاں کپڑے پہنے ہوئے لوگوں کو

جانے کی اجازت نہیں، شاید یہ بڑھتی ہوئی برائی شراب اور سور کے کثرت سے استعمال کا نتیجہ ہے، یہ بات بھی بہت عجیب ہے کہ یہودی سرمایہ دار بے حیائی اور لذت پرستی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں؛ لیکن دوسری طرف وہ خود اپنے سماج کو بچا کر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نیاگرا فال میں دو تین یہودی جوڑوں پر نظر پڑی، جن کے لباس پوری طرح ساتر تھے، عورتوں کے بال چھپے ہوئے، اور پورے بدن کو چھپائے ہوئے ڈھیلے ڈھالے گاؤن میں ملبوس؛ لیکن عجیب بات ہے کہ یہی قوم پوری دنیا میں ذرائع ابلاغ اور دوسرے وسائل کے ذریعہ بے حیائی کو فروغ دینے پر کمر بستہ ہے، انھیں بنیاد پرست اور انتہا پسند نہیں سمجھا جاتا؛ البتہ مسلمانوں کے پردہ اور برقعے کو جہالت و پس ماندگی کی علامت تصور کیا جاتا ہے اور انھیں بنیاد پرست کہا جاتا ہے۔

○ ○ ○

خبرنامہ

(محرم الحرام تا ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ)

مولانا شاہد علی قاسمی ☆

- یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ کو جناب مظفر کولہ (بھٹکل) اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ کچھ ضروری دینی اور ملی کاموں کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے حیدرآباد تشریف لائے اور مولانا رحمانی کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔
- ۶ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے صاحبزادہ ڈاکٹر محمد سلمان ندوی صاحب (جنوبی افریقہ) معہد تشریف لائے اور اپنے محاضرہ سے اساتذہ وطلبہ کو مستفید کیا، جناب یاور بیگ اور پروفیسر راشد نسیم ندوی بھی آپ کے ساتھ تھے۔
- ۲۲ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ کو جناب عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ) کی تشریف آوری ہوئی، آپ نے محاضرہ دیتے ہوئے ان مقدمات کی وضاحت فرمائی، جو اس وقت مسلمانوں کے مسائل سے متعلق سپریم کورٹ میں زیر دوراں ہیں، آپ نے طلبہ کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔
- ۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ بعد نماز مغرب جناب یاور بیگ نے جدید ذرائع ابلاغ کے موضوع پر محاضرہ دیا۔
- ۲۸ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ کو دارالعلوم دیو بند کے استاذ مولانا مفتی محمد شوکت صاحب نے معہد کا معائنہ کیا، اس کے نظام تعلیم وتربیت کی تحسین فرمائی اور طلبہ سے خطاب کیا۔
- یکم صفر ۱۴۳۳ھ کو جامعہ مظاہر علوم (دار جدید) کے امین عام جناب مولانا سید شاہد صاحب معہد تشریف لائے، یہاں کے نظام کو دیکھ کر بہت اطمینان کا اظہار کیا اور اساتذہ وطلبہ سے خطاب کیا۔
- یکم جنوری ۲۰۱۲ء کو مرہٹواڑہ کے معروف شہر ناندیڑ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت 'آئینی حقوق بچاؤ تحریک' کا جلسہ ہوا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اس میں کلیدی خطبہ دیا، اس اجلاس میں جناب عبدالرحیم قریشی، جناب اسدالدین اویسی اور دیگر حضرات بھی شریک تھے۔

☆ معتمد تعلیم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

◆ ۸؍صفر۱۴۳۳ھ مطابق ۳؍جنوری ۲۰۱۲ء کو بعد نماز مغرب مولانا شاہجہاں ندوی نے مقاصد شریعت اور عصر حاضر کے مسائل کے حل میں اس کی اہمیت کے موضوع پر محاضرہ دیا۔

◆ ۱۱؍صفر۱۴۳۳ھ مطابق ۶؍جنوری ۲۰۱۲ء کو مفتی زاہد علی خاں استاذ شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے محاضرہ دیا۔

◆ مجلس تحفظ سنت کی دعوت پر مولانا رحمانی ۸؍جنوری ۲۰۱۲ء کو ممبئی تشریف لے گئے اور وہاں ایک بڑے مجمع سے فقہ اسلامی کی اہمیت اور سنت سے اس کے ربط پر خطاب فرمایا۔

◆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنوبی افریقہ کے بعض مالیاتی اداروں کے شرعی اڈوائزر ہیں، ان کی دعوت پر ۲۳-۳۱؍جنوری ۲۰۱۲ء جنوبی افریقہ کا سفر کیا، اس موقع پر آپ نے جوہانسبرگ، ڈربن اور کیپ ٹاؤن میں علماء کے مختلف اجتماعات اور دینی مدارس میں اساتذہ وطلبہ کی نشستوں سے خطاب فرمایا، اس سفر میں مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی (استاذ معہد) بھی آپ کے ساتھ تھے۔

◆ ۳؍فروری ۲۰۱۲ء کو مولانا رحمانی نے ادارہ' دعوت السنۃ ممبئی' کی جانب سے منعقد ہونے والے مسابقۃ القرآن میں شرکت کی اور خطاب کیا، نیز ۴؍فروری ۲۰۱۲ء کو بورڈ کے بائیسویں اجلاس کے لئے بننے والی مجلس استقبالیہ کی تشکیلی نشست میں شرکت کی، یہ دونوں اجلاس بیت الحجاج ممبئی میں ہوئی۔

◆ ۶؍فروری ۲۰۱۲ء کو امریکہ کے معروف مسلم رہنما شیخ محمد علاء الدین بکری اور پاکستان کے ایک مقبول صاحب قلم مفتی محمد سعید خاں معہد تشریف لائے اور ان دونوں حضرات نے خطاب فرمایا۔

◆ ۷-۸؍فروری ۲۰۱۲ء کو مولانا رحمانی کا اندور کا سفر ہوا، اس موقع سے وہاں تفہیم شریعت کمیٹی کا اجلاس بھی ہوا، اور جدید تجارتی مسائل پر تاجروں سے خطاب بھی۔

◆ ۱۱؍فروری ۲۰۱۲ء کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجکیٹیو اسٹڈیز کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کے لئے مولانا رحمانی علی گڑھ تشریف لے گئے، اس سیمینار کا موضوع تھا ''امن وترقی میں مذاہب کا رول'' — مولانا رحمانی نے اس میں کلیدی خطبہ دیا، اسی دن بعد نماز مغرب یونیورسٹی کے کینڈی ہال میں'' آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' کا جلسہ ہوا، اس میں بھی آپ نے کلیدی خطبہ دیا، اس اجلاس میں جناب ظفریاب جیلانی بھی شریک تھے، پروفیسر سعود عالم قاسمی اس کے داعی تھے۔

◆ ۲۱؍فروری ۲۰۱۲ء کو مولانا رحمانی نے پونے کے اہل علم کی دعوت پر وہاں کا سفر کیا، آپ نے مدرسہ امینیہ شیونیری (پونے) کا سنگ بنیاد رکھا، دارالعلوم نظامیہ صوفیہ میں مولانا نظام الدین فخر الدین کی دعوت پر تفہیم شریعت کے اجلاس سے خطاب کیا، مفتی شاکر علی خاں کی دعوت پر بیت العلوم کونڈوا (پونے) تشریف لے گئے اور وہاں بھی

خطاب کیا، پونا ہی سے آپ ۲۲/فروری ۲۰۱۲ء کوشولا پور تشریف لے گئے اور وہاں '' آئینی حقوق بچاؤمہم'' کے ایک عظیم الشان اجلاس سے آپ نے خطاب فرمایا، اس جلسہ میں مولانا عبدالحمید ازہری اور دوسرے اہل علم بھی شامل تھے۔

- ۲۹/فروری ۲۰۱۲ء کومولانا رحمانی اندور تشریف لے گئے اور وہاں 'آئینی حقوق بچاؤ تحریک' کے تحت منعقد ہونے والے جلسہ عام سے خطاب کیا، جناب منیر احمد خاں اس اجلاس کے داعی تھے۔
- ۳-۵/مارچ ۲۰۱۲ء کو جامعہ اسلامیہ بنجاری اندور میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا اکیسواں فقہی سیمینار تھا، اس سیمینار میں مولانا رحمانی کے علاوہ مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی (اساتذۂ معہد) نے بھی شرکت کی۔
- ۲۴/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۸/مارچ ۲۰۱۲ء کومعہد کے کانفرنس ہال میں مجوزہ 'زید بن ثابتؓ انگلش میڈیم اسکول' کے نصابِ تعلیم پر غور کرنے کے لئے مشاورتی نشست منعقد ہوئی، جس میں معہد کے اساتذہ کے علاوہ پروفیسر سلیمان صدیقی (سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی)، پروفیسر انور خاں (پرنسپل انوار العلوم کالج)، ڈاکٹر محمد شہاب الدین سبیلی (اسسٹنٹ پروفیسر ایفل یونیورسٹی)، مولانا حافظ خواجہ نذیر الدین سبیلی (ناظم جامعہ عائشہ نسواں سعید آباد)، پرنسپل سلطان العلوم ٹولی چوکی، جناب عبدالجلیل خاں (ورنگل) اور دیگر حضرات شریک تھے۔
- ۲۴-۲۹/مارچ ۲۰۱۲ء کومولانا رحمانی نے بہار کا سفر کیا، ۲۴/مارچ کو آپ نے دربھنگہ میں مدرسہ نور العلوم سیسو میں حفظ قرآن مکمل کرنے والے طلبہ کا قرآن ختم کرایا، ۲۶/مارچ کو دارالعلوم سبیل الفلاح جالے میں اسلامی معلومات کوئز کے مسابقہ میں شرکت کرنے والوں کو انعام تقسیم کیا اور اس تقریب سے خطاب بھی کیا، انعام پانے والوں میں کئی غیر مسلم طلبہ بھی شامل تھے، ۲۸/مارچ کو المعہد العالی لتدریب القضاء والافتاء میں آپ نے اسلامک بینکنگ کے موضوع پر محاضرہ دیا، اور ۲۹/مارچ کو پٹنہ میں برادرانِ وطن کے درمیان دعوتی کام کے سلسلہ میں قائم ہونے والے ادارہ ''شانتی سندیش'' کے ذمہ داروں سے تبادلۂ خیال کیا، واضح ہو کہ معہد کے تربیت یافتہ فاضل مولانا عبدالماجد قاسمی یہاں دعوتی کام کر رہے ہیں اور اس ادارہ کے ذمہ دار ہیں۔
- مولانا رحمانی ۳۰/مارچ ۲۰۱۲ء کولکھنؤ تشریف لے گئے، ۳۱/مارچ کو جمالیہ ہال میں ''نئے مسائل اور ان کا حل'' کے موضوع پر آپ کا محاضرہ ہوا، یکم اپریل کو آپ نے ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں شرکت کی، اسی دن بعد عصر فتاویٰ ندوۃ العلماء کی رسم اجراء میں شریک ہوئے، ۲/اپریل ۲۰۱۲ء کوندوہ کے شعبۂ شریعہ کی طرف سے فقہ کے موضوع پر ایک روزہ ورکشاپ رکھا گیا، اس میں اجتہاد اور عصر حاضر کے موضوع پر آپ کا محاضرہ بھی ہوا۔

○ ○ ○